شعری اسلوب کا بدیعی جائزہ: معاصر اردو نعت کا تلمیحاتی مطالعہ

مقالہ برائے ایم-فل (اردو)

مقالہ نگار:

محمد دانش اقبال

نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز، اسلام آباد

دسمبر، ۲۰۲۲ء

شعری اسلوب کا بدیعی جائزہ: معاصر اردو نعت کا تلمیحاتی مطالعہ

مقالہ نگار:

محمد دانش اقبال

یہ مقالہ

ایم۔فل (اردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا۔

فیکلٹی آف لینگویجز

(اردو زبان و ادب)

نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

دسمبر، ۲۰۲۲ء

مقالے کا دفاع اور منظوری کا فارم

زیرِ دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے،وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگویجز(شعبہِ زبان) کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: **شعری اسلوب کا بدیعی جائزہ: معاصر اردو نعت کا تلمیحاتی مطالعہ**

پیش کار: محمد دانش اقبال رجسٹریشن نمبر1884/M/U/F19

ماسٹر آف فلاسفی

شعبہ: اردو زبان و ادب

ڈاکٹر عنبرین تبسم ________________

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر جمیل اصغر جامی ________________

ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

تاریخ ________________

اقرار نامہ

میں، محمد دانش اقبال حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد کے ایم۔فل (اردو) سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر عنبرین تبسم کی نگرانی میں مکمل کیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونی ورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گا۔

محمد دانش اقبال

مقالہ نگار

نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

فہرست ابواب

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم II

اقرار نامہ III

فہرست ابواب IV

Abstract VII

اظہارِ تشکر VIII

باب اول: موضوع کا تعارف اور بنیادی مباحث

ا۔ تمہید ۱

ا۔ موضوع کا تعارف ۱

۲۔ بیانِ مسئلہ ۱

۳۔ مقاصدِ تحقیق ۲

۴۔ تحقیقی سوالات ۲

۵۔ نظری دائرہ کار ۲

۶۔ تحقیقی طریقہ کار ۴

۷۔ مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق ۵

۸۔ تحدید ۷

۹۔ پس منظری مطالعہ ۷

۱۰۔ تحقیق کی اہمیت ۷

ب۔ بنیادی مباحث ۸

ا۔ نعت کا تعارف ۸

۱) لغوی و اصطلاحی مفہوم ۹

۲) نعت اور قرآن ۱۱

۳) عہدِ نبویؐ میں نعت ۱۴

۴) اردو میں نعتیہ شاعری: اجمالی جائزہ ۱۷

۲۔ علمِ بدیع ۱۹

روایت ۲۱

اقسامِ بدیع ۲۲

۳ ۔ تلمیح ۲۲

۱) معنی و مفہوم ۲۳

۲) اہمیت و افادیت ۲۵

۳) اقسامِ تلمیح ۲۸

۴۔ منتخب شعرا کا اجمالی تعارف ۳۲

حوالہ جات ۴۲

باب دوم: منتخب شعرا کے نعتیہ کلام میں تلمیحات کی موضوعاتی اقسام کا مطالعہ

ا۔ مذہبی تلمیحات ۴۵

- قرآنی تلمیحات ۴۵

ریاض مجید، عزیز احسن، صبیح الدین رحمانی،، مقصود علی شاہ، شاکر القادری، دلاور علی آزر

- احادیثی تلمیحات ۶۷

ریاض مجید، عزیز احسن، صبیح الدین رحمانی،، مقصود علی شاہ، شاکر القادری، دلاور علی آزر

ب۔ تاریخی تلمیحات ۷۹

عزیز احسن، صبیح الدین رحمانی،، مقصود علی شاہ، شاکر القادری، دلاور علی آزر

ج۔ علمی و اصطلاحی تلمیحات ۹۰

ریاض مجید، عزیز احسن، صبیح الدین رحمانی،، مقصود علی شاہ، شاکر القادری، دلاور علی آزر

حوالہ جات ۱۰۱

باب سوم: منتخب شعرا کے نعتیہ کلام میں تلمیحات کی فنی اقسام کا مطالعہ

ا۔ تشبیہاتی تلمیح ۱۰۴

ریاض مجید، عزیز احسن، صبیح الدین رحمانی،، مقصود علی شاہ، شاکر القادری، دلاور علی آزر

ب۔ استعاراتی تلمیح ۱۱۵

ریاض مجید، صبیح الدین رحمانی،، مقصود علی شاہ، شاکر القادری، دلاور علی آزر

ج۔ تلمیحِ کنایہ ۱۲۵

ریاض مجید، عزیز احسن، صبیح الدین رحمانی،، مقصود علی شاہ، شاکر القادری، دلاور علی آزر

حوالہ جات ۱۳۷

باب چہام: مجموعی جائزہ، تحقیقی نتائج، سفارشات

ا۔ مجموعی جائزہ ۱۳۸

ب۔ تحقیقی نتائج ۱۴۱

ج۔ سفارشات ۱۴۲

کتابیات ۱۴۳

ABSTRACT

Title: Insinuative Study of Contemporary Urdu Naat

M Phil Urdu research thesis is "Insinuative Study of Contemporary Urdu Naat". In order to accomplish the research, the contemporary Urdu Naat poets are chosen whose Na'tiya poetry has been published continuously in "Nat Rang" the most significant contemporary journal of Urdu Na'tiya literature platform of Pakistan. The research comprises Introduction to Naat and insinuation and use of insinuations among Na'tiya poetry of selected Naat Poets.

Subjective kinds of insinuations are taken in accordance with resources of insinuations, whereas technical kinds of them are categorized according to simile, metaphor and innuendo of tropology. Initial debates about the topic were discussed by Dr. Ata-ur-Rahman Siddique and Dr. Masahib Ali Siddique in their write-ups "Urdu Sha'eri mei'n Islami Talmeehaat" and "Urdu Sha'eri mei'n Talmeehaat" respectively. Technical types of insinuations are categorized by expanding these initial concepts.

Qualitative and documentational research methodology is followed to accomplish the thesis work. The Relevant libraries and websites are visited to seek help to meet the purpose and fulfill the requirements of research methodology. This thesis comprises four chapters. First chapter includes topic introduction, basic concepts and debates about the topic, introduction to Naat, Rhetoric (Ilm-e-Bad'i), insinuation and it's several kinds. Second chapter of the research consists of analysis of subjective kinds of insinuation used in Naat poetry of selected contemporary poets. Third chapter contains the analysis of technical kinds of insinuation used by selected Urdu poets in their Na'tiya poetry. All discussion of the research write-up is briefly summarized in last chapter of thesis with research results and further recommendation.

اظہارِ تشکر

صد شکر خدائے بزرگ و برتر کا جس نے مجھ ایسے نابکار کو مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے تحقیق کی توفیق عنایت فرمائی اور جس کی عنایات ہمیشہ میرے شاملِ حال رہیں۔ جس کی موجودگی کے احساس نے مجھے ہر مشکل گھڑی میں سہارا دیا۔

موضوع کے انتخاب سے مقالہ کی تکمیل و تنظیم تک ہر قدم پہ رہنمائی کرنے والی شخصیت، نگرانِ مقالہ ڈاکٹر عنبرین تبسم شاکر کا شکر گزار ہوں کہ ان کی توجہ اور شفقت میرے لیے حوصلوں کا سامان بنی رہی۔ شعبہ کے دیگر اساتذہ کا بھی ممنونِ احسان ہوں، جنھوں نے گام بہ گام رہنمائی فرمائی۔

ان تمام دوستوں کے لیے تشکر یہ کلمات جنھوں نے مقالہ کی تکمیل میں اپنے پُر خلوص مشوروں سے میری رہنمائی کی۔ بالخصوص ہاجرہ امینہ علی صاحبہ اور جناب سبحان خالد کا شکریہ جنھوں نے اس مرحلے کو عبور کرنے کا حوصلہ دیا اور ہر ممکن معاونت بھی کی۔

آخر میں ان سب کا شکریہ جو رہِ حیات کی ہر مشکل و آسان گھڑی میں ہمیشہ میرے ساتھ رہتے ہیں اور میرا حوصلہ بڑھاتے ہیں۔۔۔ میرے والدین، بہن اور بھائی۔ جن کی کُل وقتی رفاقت مجھے میسر رہی اور جو مقالہ لکھنے کے دوران ہر مشکل میں میرے شانہ بشانہ رہے۔

محمد دانش اقبال

ایم فل سکالر

باب اول:

موضوع کا تعارف اور بنیادی مباحث

ا۔ تمہید:

ا: موضوع کا تعارف:

تلمیح سے مراد کسی مسئلے، قصے، تاریخی واقعہ، شخصیت یا قرآن و احادیث کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ شاعری میں تلمیحات کے ذریعے حسن و تاثر پیدا کیا جاتا ہے۔ اردو شاعری میں تلمیحات کا ذخیرہ زیادہ تر عربی و فارسی ادب اور قرآن و احادیث سے لیا گیا ہے۔ مجوزہ تحقیقی کام "معاصر اردو نعت کا تلمیحاتی مطالعہ" تلمیح کی تعریف اور اقسامِ تلمیح کی مباحث اور منتخب شعرا کے کلام میں تلمیحات کے استعمال سے متعلق ہے۔ موضوع کی ضرورت اور مقالہ کی تکمیل کے لیے عصرِ رواں کے ان نعت گو شعرا کا انتخاب کیا گیا جن کا کلام وقتاً فوقتاً اردو نعتیہ ادب کے سب سے بڑے اور معیاری مجلے " نعت رنگ " میں شامل ہوتا رہتا ہے اور جن کے باقاعدہ نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ جن شعرا کا انتخاب کیا گیا ہے ان کے نام یہ ہیں؛ ڈاکٹر ریاض مجید، ڈاکٹر عزیز احسن، صبیح الدین رحمانی، شاکر القادری، مقصود علی شاہ اور دلاور علی آزر۔ مجوزہ تحقیق میں منتخب شعرا کے نعتیہ کلام میں تلمیحات کی نوعیت اور استعمال کا جائزہ لیا گیا اور ساتھ ہی تلمیح کی موضوعاتی اور فنی تقسیم سے متعلق بحث کی گئی۔

۲: بیانِ مسئلہ:

ادب میں نعت گوئی کی روایت قدیم ہے۔ ہر عہد میں شعرا نے حضورؐ سے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار اسی صنف کے ذریعے کیا۔ نعت گوئی کی جو روایت متقدمین سے شروع ہوئی تھی، وہ آج بھی جاری و ساری ہے۔ نعتِ سرورِ کونینؐ میں جہاں موضوعاتی اعتبار سے احتیاط برتی جاتی ہے وہیں فنی نزاکتوں کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ علمِ بدیع کی مختلف صنعتوں کے استعمال کے ذریعے کلام میں حسن پیدا کیا جاتا ہے۔ ان صنعتوں میں تلمیح کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ تلمیح کے استعمال سے شاعر کم سے کم الفاظ کے ذریعے اپنا مدعا بیان کرتا ہے۔

تلمیح کے ذریعے کلام فصیح و بلیغ ہوتا ہے اور یہی کلام کا اصل حسن ہے۔ اکثر شعرائے نعت اپنے کلام میں قرآنی تلمیحات اور احادیث نبویؐ کے حوالوں سے کلام کے حسن میں اضافہ کرتے ہیں۔

مجوزہ موضوعِ تحقیق میں معاصر نعت گو شعرا کے کلام میں تلمیحات کی موضوعاتی اور فنی اقسام کا جائزہ لیا گیا۔ اس سے جہاں معاصر اردو نعت میں کثرت سے استعمال ہونے والی تلمیحات کا سراغ ملے گا، وہیں منتخب شعرا کے کلام کی معنوی وسعتوں کا صحیح اندازہ لگانا ممکن ہو گا۔

۳: مقاصدِ تحقیق:

مجوزہ تحقیق کے مقاصد درج ذیل ہیں:

۱. معاصر اردو نعت میں تلمیحات کے استعمال اور نوعیت کی وضاحت کرنا۔
۲. تلمیحات کے استعمال سے منتخب شعرا کے نعتیہ کلام میں پائے جانے والے حسن و بلاغت کا جائزہ لینا۔
۳. اردو ادب بالخصوص اردو نعت میں کثرت سے استعمال ہونے والی تلمیحات کی نشاندہی کرنا اور ان سے نئے اور اچھوتے مضامین نکالنے کے امکانات کا سراغ لگانا۔

۴: تحقیقی سوالات:

مجوزہ تحقیق میں درج ذیل سوال مدِ نظر رکھے گئے:

۱. معاصر اردو نعت گوئی میں تلمیحات کا استعمال کس طرح کیا گیا ہے؟
۲. تلمیحات کے استعمال سے منتخب شعرا کے نعتیہ کلام کی معنوی وسعتوں میں کیا اضافہ ہوا؟
۳. معاصر اردو نعت میں کثرت سے استعمال ہونے والی تلمیحات کی وقعت و اہمیت کیا ہے؟

۵: نظری دائرہ کار:

علمِ بدیع کے ذریعے کلام میں پائی جانے والی خوبیوں کا تعین کیا جاتا ہے۔ اردو ادب کے نامور محقق سید عابد علی عابد اپنی تصنیف "البدیع" کے صفحہ ۳۶ پر علمِ بدیع کی بابت لکھتے ہیں:

> " علمِ بدیع وہ علم ہے جس کے ذریعے محسناتِ کلام یا خوبی ہائے شعر کے کوائف دریافت کیے جاتے ہیں۔ یہ محسنات یا تو الفاظ میں ہوں گے یا معانی میں، لیکن ان کی

موجودگی فن کار پر واجب نہیں ہے۔ البتہ موزوں و مناسب ہے کہ اس کا کلام
خوبیوں سے آراستہ ہو۔"

تلمیح سے مراد کسی مشہور تاریخی قصہ، واقعہ، تاریخی شخصیت یا قرآنی آیت و حدیث کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ مولوی حکیم نجم الغنی اپنی تصنیف "بحر الفصاحت" کے صفحہ ۱۱۱۳ پر تلمیح کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

" شاعر اپنے کلام میں کسی مسئلہ مشہورہ یا کسی قصہ یا مثلِ شایع یا اصطلاحِ نجوم وغیرہ
کی ایسی بات کی طرف اشارہ کرے جس کے بغیر معلوم ہوئے اور بے سمجھے اس کلام کا
مطلب اچھی طرح سمجھ میں نہ آئے۔"

تلمیحات کے استعمال سے کلام میں بلاغت اور حسن پیدا کیا جاتا ہے۔ اردو ادب میں تلمیحات کی تقسیم موضوعاتی حوالے سے ہی کی گئی ہے، تلمیحات کی فنی تقسیم پر کم ہی توجہ دی گئی۔ ڈاکٹر عطاالرحمن صدیقی اپنی تصنیف "اردو شاعری میں اسلامی تلمیحات" کے صفحہ ۱۵۹-۱۶۰ پر تلمیح کی موضوعاتی اقسام کے ساتھ اس کی فنی اقسام کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"۔۔۔ تلمیح چونکہ جملہ اصنافِ ادب میں جاری و ساری ہے، مثنوی، نظم، مرثیہ، مسدس، قطعات، نعت، غزل حتیٰ کہ آزاد نظم میں بھی، شاید اسی لیے اس کی کوئی تقسیم نہیں کی گئی، اس کا جملہ اصنافِ سخن میں جاری و ساری رہنا کیا اس کی فنی تقسیم سے مانع ہے؟؟ کیا علمِ معانی اور صنائع بدائع کی روشنی میں تشبیہ کی طرح اس کی فنی تقسیم نہیں کی جاسکتی؟؟ تلمیح کا جملہ اصناف میں جاری و ساری ہونا خود اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کی بھی فنی تقسیم کی جائے جیسے دیگر صنعتوں کی فنی تقسیم کی گئی ہے۔۔۔ یہ تلمیحات کی نوعیت کے تعین کا تقاضا ہے تاکہ مختلف تلمیحات کے مابین فرق درجات اور قدر مراتب قائم ہو سکے۔۔۔"

اسی تناظر میں مجوزہ تحقیق میں تلمیحات کی نوعیت و اقسام اور معاصر اردو نعت میں تلمیحات کے استعمال کا مطالعہ کیا گیا، جس سے نعت کے آئندہ محققین کے لیے تلمیحات کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اشعار کی تفہیم میں بھی سہولت ہو گی۔

٦: تحقیقی طریق کار:

- **تاریخی و دستاویزی طریقہ:**

مجوزہ تحقیق " معاصر اردو نعت کا تلمیحاتی مطالعہ " بنیادی طور پر ایک تحقیقی و تنقیدی نوعیت کا کام ہے۔ چوں کہ مجوزہ کام منتخب شعرا کے کلام میں تلمیحات کے استعمال سے متعلق ہے لہذا مجوزہ تحقیق کے لیے تاریخی و دستاویزی طریقہ کار اپنایا گیا۔ یعنی اس تحقیقی مواد سے استفادہ کیا گیا، جو مجوزہ موضوع سے قریب تر ہے۔ نیز مقالے کی تکمیل کے لیے بنیادی مآخذ کے ساتھ ثانوی مآخذ میں اردو کتب اور رسائل و جرائد شامل ہیں۔

- **کتب خانے:**

مواد کے حصول کے لیے مختلف جامعات ، ادارہ جات کے کتب خانوں اور نجی کتب خانوں سے استفادہ کیا گیا۔ جامعہ پنجاب، لاہور میں اردو نعت گوئی پر پی ایچ ڈی کی سطح پر تحقیقی کام ہو چکا ہے، جو مجوزہ تحقیقی کام کے لیے معاون ثابت ہوا۔ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد میں بھی معاصر اردو نعت گوئی پر پی ایچ ڈی کی سطح پر تحقیقی کام ہو رہا ہے۔ لہذا متذکرہ جامعات کے کتب خانے مواد کی جمع آوری میں معاون ثابت ہوئے۔

- **رسائل و جرائد:**

اردو کے ذیل جرائد "نعت رنگ"، " فروغِ نعت" اور "دھنک رنگ" سے بھی موضوع سے متعلقہ مواد کے حصول کے لیے استفادہ کیا گیا۔

- **آن لائن طریقہ:**

علاوہ ازیں آن لائن طریقۂ تحقیق اپناتے ہوئے متعلقہ آن لائن کتب خانوں اور ویب گاہوں جیسے www.adabsaraae.com، www.sabih-rehmani.com، www.rekhta.org.com سے استفادہ کیا گیا۔

مجوزہ تحقیق فیلڈ ورک یا سائنسی تحقیق نہیں ہے، لہذا موضوع سے متعلق مواد کی جمع آوری کے بعد تجزیاتی طریقہ اپناتے ہوئے متعلقہ مواد کو پرکھا گیا۔ اس کے بعد حاصل شدہ مواد کے نفی و اثبات کے ذیل میں نتائج مرتب کیے گئے۔

۷: مجوزہ موضوع پر ماقبل تحقیق:

- **عطاالرحمن، ڈاکٹر، اردو شاعری میں اسلامی تلمیحات، کاکوری آفسٹ پریس لکھنو، ۲۰۰۴ء**

ڈاکٹر عطاالرحمنٰ ندوی نے اس کتاب میں زبانِ اردو کے آغاز وارتقاسے متعلق بحث کرتے ہوئے، اسلام میں شاعری کے مقام و مرتبے اور اردو شاعری پر اسلامی اثرات اور اسلامی لفظیات پر بحث کی۔ اس کے بعد تلمیح کی تعریف، مآخذ، اہمیت و افادیت، اقسام اور تلمیح کے حدودِ اربعہ پر مفصل بحث کی۔ آخر میں اسلامی تلمیحات کی مختلف اقسام پر بحث کی۔ کتاب ہذا کا موضوع مجوزہ تحقیقی کام سے بہت قریب ہے کیونکہ نعتیہ شاعری میں زیادہ تر اسلامی تلمیحات ہی برتی جاتی ہیں۔

- **مصاحب علی صدیقی، ڈاکٹر، اردو ادب میں تلمیحات، نظامی پریس لکھنو، ۱۹۹۰ء**

اس کتاب میں ڈاکٹر مصاحب علی صدیقی نے پانچ ابواب قائم کیے ہیں۔ ابتدائی تین ابواب تلمیح کا تعارف، ضرورت و اہمیت اور تلمیح کے ادبی نقطہ نظر سے متعلق ہیں۔ باب چہارم میں تلمیح کی موضوعاتی اقسام سے متعلق بحث شامل ہے۔ باب پنجم دیگر زبانوں کی تلمیحات جو اردو میں مستعمل ہیں، سے متعلق ہے۔ جو راقم کے لیے مجوزہ تحقیق میں معاون ہوا۔

- **وحیدالدین سلیم، تلمیحات، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس کراچی، ۲۰۱۹ء**

اس کتاب میں وحیدالدین سلیم نے تلمیح کا تعارف اور اس کے مآخذ پر مفصل بحث کی ہے۔ نیز اردو زبان کی تلمیحات، روزمرہ گفتگو کی عام تلمیحات اور ہندی ادبیات کی تلمیحات پر بحث کو کتاب میں شامل کیا ہے۔ یہ کتاب مجوزہ تحقیق میں تلمیح کی بنیادی مباحث اور اس کی اقسام سے متعلق مباحث میں معاون ہوئی۔

مقالہ جات:

- **ریاض مجید، ڈاکٹر، اردو میں نعت گوئی تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، جامعہ پنجاب لاہور، سن ندارد**

مقالہ ہذا میں ڈاکٹر ریاض مجید نے چھ ابواب قائم کیے۔ جن میں انھوں نے نعت کے بنیادی مباحث، نعت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم بیان کیا اور اس کے بعد نعت کے موضوعات، اقسام اور مختلف اسالیب کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے نعت کے فکری مآخذ و محرکات اور جنوبی و شمالی ہند میں اردو نعت کی روایت کا جائزہ لیا ہے۔ پھر عصرِ حاضر میں نعت گوئی پر اپنی تحقیق پیش کی ہے۔ چونکہ مجوزہ موضوع میں راقم نے نعت کے بنیادی مباحث اور اردو میں نعت گوئی کی روایت کو باب اول کے جزو میں شامل کیا ہے، اس حوالے سے مقالہ ہذا کافی کار آمد رہا۔

- **تنظیم الفردوس، ڈاکٹر، اردو کی نعتیہ شاعری میں مولانا احمد رضا خاں کی انفرادیت و اہمیت مقالہ برائے پی ایچ ڈی، جامعہ کراچی، ۲۰۰۳ء**

مقالہ ہذا میں مقالہ نگار نے نو ابواب قائم کیے ہیں۔ جن میں انھوں نے نعت کے لغوی و اصطلاحی مفاہیم، موضوع، مواد اور نعت کی مقبولیت، اردو میں نعت گوئی کے محرکات اور ارتقا کا تذکرہ کرتے ہوئے حالی سے اقبال تک نعت کے عہدِ زریں پر مفصل بحث کی۔ اس کے بعد انھوں نے احمد رضا خان کی شخصیت اور ان کی نعتیہ شاعری میں ہیئت کے تنوع، عربی و فارسی کے اثرات، احمد رضا خاں کی شاعری کی لسانی تشکیلات اور شاعری کی خصوصیات پر بھی مفصل بحث کی ہے۔ آخر میں احمد رضا خاں کی شاعری کی قدر و قیمت اور افادیت پر اپنی رائے پیش کی ہے۔ مقالہ ہذا بھی گزشتہ مقالہ کی طرح نعت کے بنیادی مباحث کے باب میں کافی سود مند ثابت ہوا۔

- **شاہ محمد، عہدِ نبوی ﷺ میں نعتیہ شاعری، تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، اردو جامعہ کراچی، ۲۰۰۸ء**

مقالہ ہذا میں مقالہ نگار نے سات ابواب قائم کیے ہیں۔ ابتدا میں شعر سے متعلق اسلامی نقطہ ء نظر پیش کیا ہے۔ بعد ازیں کتبِ سماوی میں مدحتِ حضورؐ اور میلادِ حضورؐ سے پہلے اور بعد کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے اپنی تحقیق پیش کی۔ اور اس کے بعد عہدِ نبویؐ کے نعت گو شعرا کا تذکرہ کیا اور عہدِ نبویؐ میں نعت کے نثری نمونوں کا تذکرہ بھی کیا۔ نیز عہدِ نبویؐ کی نعتیہ شاعری کے مآخذ اور موضوعات اور دربارِ رسالتؐ اور عہدِ حاضر کی نعتیہ شاعری کا تقابل پیش کیا۔ جو مجوزہ تحقیقی کام کی تکمیل کے لیے معاون و مددگار رہا۔

۸: تحدید:

مجوزہ تحقیق منتخب شعرا کے نعتیہ کلام میں تلمیحات کے استعمال سے متعلق ہے۔ابتدا میں نعت کا تعارف اور اردو شاعری میں نعت کی راویت پر بحث کی گئی۔ بعد ازاں علمِ بدیع اور تلمیح سے متعلق مباحث کو تحقیق میں شامل کیا گیا۔ اور منتخب شعرا کے نعتیہ کلام میں تلمیحات کی نوعیت پر بحث کی گئی۔لہذا تحقیق میں منتخب شعرا کے نعتیہ کلام کے علاوہ دیگر کلام شامل نہ کیا گیااور تحقیق میں ان کے دیگر شعری محاسن سے متعلق بحث شامل نہ ہونے پائی۔

۹: پس منظری مطالعہ:

مجوزہ موضوع "معاصر اردو نعت کا تلمیحاتی مطالعہ " ہے۔سو پس منظری مطالعہ کے طور پر سب سے پہلے نعت گوئی کی روایت کا مطالعہ جس کا تذکرہ ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے "اردو میں نعتیہ شاعری" میں، شاہ محمد نے "عہدِ نبویؐ میں نعتیہ شاعری" میں اور ڈاکٹر ریاض مجید نے " اردو میں نعت گوئی" میں کیا ہے کی روشنی میں کیا گیا۔ان میں نعت کے فکری مآخذ کی بحث بھی موجود ہے۔اس کے علاوہ تنظیم الفردوس کا مقالہ "اردو کی نعتیہ شاعری میں مولانا احمد رضا خاں کی انفرادیت و اہمیت" بھی نعت کے بنیادی مباحث اور روایت کے لیے کار آمد ثابت ہوا۔

علمِ بدیع اور صنعتِ تلمیح کے تعارف اور ان سے متعلق بنیادی مباحث کے لیے حکیم نجم الغنی رام پوری کی تصنیف " بحر الفصاحت"، سید عابد علی عابد کی " البدیع"، رحمت یوسف زئی کی" اردو شاعری میں صنائع و بدائع"،وحید الدین سلیم کی "تلمیحات"،ڈاکٹر عطاالرحمن کی" اردو شاعری میں اسلامی تلمیحات" اور مصاحب علی صدیقی کی" اردو ادب میں تلمیحات "خاصی اہمیت کی حامل ہیں۔

۱۰: تحقیق کی اہمیت:

مجوزہ موضوع "معاصر اردو نعت کا تلمیحاتی مطالعہ" علمِ بدیع کی صنعت تلمیح سے متعلق ہے۔ تلمیح سے مراد کسی مسئلے، قصے، تاریخی واقعہ، شخصیت یا قرآن و احادیث کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ شاعر تلمیح کے استعمال سے کلام میں تاثر پیدا کرتا ہے۔اردو کے اکثر نعت گو شعرا قرآنی تلمیحات کا استعمال کرتے ہیں، اسی طرح احادیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تلمیح کا حسن اجاگر کرتے ہیں۔ سیرتِ پیغمبرِ اکرمؐ کے بیان کے لیے قرآنی تلمیحات، احادیثِ نبوی اور حیاتِ پیغمبر کے مختلف گوشوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، جو تلمیح کا درجہ

رکھتے ہیں۔ اردو شاعری میں تلمیحات کو اس قدر برتا گیا کہ بعض تلمیحات کلیشے بن چکی ہیں اور ان کا استعمال عیب گردانا جاتا ہے۔ اس حوالے سے مجوزہ تحقیق میں ان تلمیحات کی نشان دہی کی گئی جو کثرت سے استعمال ہوئی ہیں اور اب منفرد اور اچھوتے انداز میں ان کا استعمال بہت مشکل ہے۔ اس کے ساتھ منتخب شعرا کے نعتیہ کلام میں تلمیح کی بدولت پائے جانے والے حسن و تاثیر کا جائزہ لیا گیا اور ساتھ ہی تلمیح کی موضوعاتی اقسام کے ساتھ ساتھ اس کی فنی تقسیم سے متعلق مفصل بحث کی گئی۔ جس سے آئندہ محققین نعت گو شعرا کے لیے شعر میں معنوی اعتبار سے حسن و چاشنی کے لیے سہولت ہو گی اور نعت کی موضوعاتی وسعت میں مزید اضافہ ممکن ہو گا۔

ب۔ بنیادی مباحث:

ا۔ نعت کا تعارف :

نعت عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے لغوی معنی تعریف و توصیف کے ہیں۔ لیکن عربی، فارسی، اردو اور دیگر کئی زبانوں میں لفظ "نعت" صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و توصیف اور مدح کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ جب ہم لفظ "نعت" استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد نظم و نثر کا وہ حصہ ہے جس میں شہِ دوسرا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات و صفات کی تعریف و توصیف کی گئی ہو۔ نعت کے لیے کوئی مختص نہیں ہے، بلکہ نعت ادب کی کسی بھی صنف میں کہی جا سکتی ہے۔ نظم، غزل، قصیدہ، مثنوی، قطعہ، رباعی، ہائیکو یا دیگر اصنافِ ادب میں بھی نعت کہی جا سکتی ہے۔ نعت میں سیرتِ شہِ دوسرا ﷺ کے بیان سے اصلاحِ معاشرہ، تہذیب و معاشرت، سماجی برائیوں کے انسداد، عظمتِ انسانیت کا فروغ اور اشاعتِ دین کا کام لیا جاتا ہے۔

شہِ دوسرا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات و خصائل کا منظوم اظہار نعت ہے۔ جو بادی النظر میں بہت آسان ہے۔ لیکن حقیقتاً یہ دشوار اور نازک مرحلہ ہے۔ آسان اس لیے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلوص و محبت کے جذبہ و احساس کو کسی بھی صنفِ ادب میں نظم کر سکتے ہیں۔ لیکن نازک اور دشوار اس اعتبار سے کہ شاعر کو نعت کی تکمیل تک بہت محتاط رہنا پڑتا ہے کیوں کہ خالقِ دو جہاں کی توصیف و ثنا ہو یا توصیفِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؛ دونوں اصنافِ ادب مسلمانوں کے لیے عبادت کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس لیے ذرا سی بے احتیاطی تمام ریاضت و کاوش کا خون کر سکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانِ

کامل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشری صفات کی نہایت ارفع واعلیٰ مثال ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت و ثنا خود قرآن کریم میں جابجا مذکور ہے۔ قرآن کریم خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق اور سیرت طیبہ کا آئینہ ہے۔ ایسی عظیم المرتبت شخصیت کے کمالات و اوصاف، فضائل و شمائل کا بیان کرنا کسی معمولی کیا غیر معمولی انسان سے بھی ممکن نہیں۔ اسی لیے نعت میں مبالغہ اور غلو کی گنجائش ہر گز نہیں البتہ غیر محتاط اندازِ بیان بے ادبی اور گستاخی کے ذیل میں آجاتا ہے۔

۱) لغوی واصطلاحی مفہوم :

نعت عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی تعریف یا توصیف بیان کرنے کے ہیں۔ محمد مرتضی الحسینی اپنی کتاب "تاج العروس" میں لکھتے ہیں :

"نعت الشیء وانتعتہ اذا وصفتہ وجمع النعت نعوت .... النعت من کل شیء جیدہ وکل شیء کان بالغا تقول ھذا نعت أی جید .

ترجمہ: کسی چیز کے وصف بیان کرنے کو نعت کہتے ہیں۔ نعت کی جمع نعوت ہے۔۔ ہر چیز کے عمدہ حصے کو نعت کہتے ہیں۔ جو چیز عمدگی کی آخری حد تک پہنچی ہوئی ہو تو کہتے ہیں یہ اس کی نعت ہے۔" (۱)

"اردو لغت" میں نعت کے معنی یوں درج کیے گئے ہیں:

"۱۔ صفت و ثنا، تعریف و توصیف، مدح، ثنا،

۲۔ مجازاً خاص حضرت سید المرسلین رحمتہ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف" (۲)

مصباح اللغات میں نعت کے معنی ہیں:

"تعریف کرنا، توصیف بیان کرنا (اور اکثر اس کا استعمال صفات حسنہ کے لیے ہوتا ہے)۔ (۳)

فرہنگ آصفیہ میں ہے :

"صفت و ثنا، تعریف و توصیف، مدح، ثنا، مجازاً خاص حضرت سید المرسلین رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف۔" (۴)

متذکرہ بالا لغات کے مطابق نعت کا مطلب کسی شخصیت کی تعریف و توصیف بیان کرنا یا کسی شخصیت کے کردار و اوصاف کے بیان کا نام نعت ہے۔ عربی و فارسی لغات کے مطابق لفظ "نعت" نثری و شعری ہر دو

اصناف کے لیے برتا جاتا ہے۔ لیکن اردو ادب میں اسے صرف شاعری تک محدود سمجھا جاتا ہے۔ اردو زبان و ادب کی رو سے اصطلاحِ شعر و سخن میں نعت کا لفظ حضور اکرم شہِ دو سرا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و ثنا کے اظہار کے لیے مخصوص کر لیا گیا ہے۔ عربی، فارسی، اردو اور دیگر کئی زبانوں میں لفظ نعت انھی معنوں میں مستعمل ہے۔ نعت در حقیقت ایک مسلمان کا جنابِ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیدت و محبت کے اظہار کا دلنشین ذریعہ ہے۔ محبتِ رسول اللہ صلی اللہ وآلہ علیہ وسلم ایمان کی اولین شرط ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ والا صفات سے محبت کا اظہار تکمیلِ ایمان کی ایک سیڑھی ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے بقول:

"اصولاً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سے متعلق نثر اور نظم کے ہر ٹکڑے کو نعت کہا جائے گا، لیکن اردو اور فارسی میں جب لفظِ نعت کا استعمال ہوتا ہے تو اس سے عام طور پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوم مدح مراد لی جاتی ہے۔" (۵)

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی لکھتے ہیں:

"نعت ایک موضوع کا نام ہے اس کے لیے کوئی خاص صنف، فارم یا ٹیکنیک نہیں ہے اسے غزل، مثنوی، مسدس، مخمس، رباعی، قطعہ وغیرہ کسی بھی صنف میں لکھا جا سکتا ہے۔ نعت کا موضوع مخصوص نہیں بہت ہی وسیع ہے۔" (۶)

نعت کے اصطلاحی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا عبد القدوس ہاشمی رقم طراز ہیں:

"عربی زبان میں تعریف و توصیف کے لیے اور بھی بہت سے مصادر مستعمل ہیں۔ مثلاً حمد، ثنا، مدح وغیرہ۔ اگرچہ ان سب کے محل استعمال میں ہمیشہ پوری پابندی نہیں کی گئی، مگر اہلِ قلم حضرات نے عملاً لفظ "حمد" کو اللہ کی تعریف کے لیے اور لفظ "نعت" کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثنا و توصیف کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔۔۔ اس طرح عربی، فارسی، اردو اور ترکی زبان میں نعت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح و ثنا مراد ہوتی ہے۔۔۔ اور اب ان تمام زبانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و توصیف کے لیے لفظ "نعت" ہی مستعمل ہے۔" (۷)

۲) نعت اور قرآن :

قرآن مجید کلام الٰہی ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی ادب کی پہلی کتاب بھی ہے۔ اس کتاب میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت و ثنا کے مضامین موجود ہیں۔ اُم المومنین حضرت عائشہ نے اخلاقِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توصیف میں "خلقه القرآن" کہہ کر قرآن مجید کو نعت کا مضمون قرار دیا۔ قرآن مجید میں مختلف مضامین کے ذریعے منفرد انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توصیف و ثنا کا بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً عبدیت، محبوبیت، رسالت، اولادِ آدم پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت، انبیائے کرام علیہ السلام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کا بیان وغیرہ۔ یہ تمام اور سینکڑوں ایسے موموضوعات مزید ہیں، جن کے ذریعے خالقِ دوجہان نے شہِ دوسرا ﷺ کی نعت بیان کی ہے۔ قرآن در حقیقت حضور شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں پہلی نعت ہے۔ قرآن مجید میں نہ صرف یہ کہ اللہ نے اپنے محبوب کی مدحت بیان کی ہے بلکہ ان کے امتیوں کو بھی نعت بیان کرنے کی ترغیب دی ہے۔ دراصل قرآن مجید کے ذریعے خالقِ دوجہان نے ہمیں نعت کے موضوعات اور آداب سے روشناس کرایا ہے۔ سورہ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" ﴿الاحزاب :۵۶﴾

ترجمہ: "بے شک اللہ اور اس کے (سب) فرشتے نبیِ (مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو! تم (بھی) اُن پر درود بھیجا کرو۔ " (۸)

متذکرہ بالا آیتِ کریمہ میں لفظ درود سے مراد نعتِ شہِ دوسرا ؐ ہی تو ہے۔ اور اللہ تعالیٰ خود فرمارہے ہیں کہ اللہ اور اس کے فرشتے دورد بھیجتے ہیں۔ تم بھی درود بھیجو۔ یعنی تم لوگ بھی شہِ دوسرا ؐ کی نعت بیان کرو۔ محبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جزوِ ایمان ہے اور ایمان و محبت کا تقاضا ہے کہ مومن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و توصیف بیان کرے۔ اس کے علاوہ دیگر سینکڑوں آیاتِ مبارکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت کا بیان ملتا ہے۔ جن میں سے چند ایک ذیل میں درج کی جارہی ہیں :

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿الانبیاء: ۱۰۷﴾

ترجمہ: "اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔" (۹)

متذکرہ بالا آیتِ کریمہ میں شہِ دوسرا ﷺ کی جو صفت بیان کی گئی ہے، اس سے بڑھ کر اور کیا تعریف کی جائے گی۔ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالمین کی تمام مخلوقات کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور اس کا بیان متذکرہ بالا آیتِ کریمہ میں کر دیا گیا ہے۔

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۙ (۱) وَوَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ۙ (۲) الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ ۙ (۳) وَ رَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ؕ (۴) ﴿النشرح ۱-۴﴾

ترجمہ: "کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (انوارِ علم و حکمت اور معرفت کے لیے) کشادہ نہیں فرما دیا۔ اور ہم نے آپ کا (غمِ امت کا وہ) بار آپ سے اتار دیا۔ جو آپ کی پشتِ (مبارک) پر گراں ہو رہا تھا۔ اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر (اپنے ذکر کے ساتھ ملا کر دنیا و آخرت میں ہر جگہ) بلند فرما دیا" (۱۰)

متذکرہ بالا آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینے کو علم و حکمت کے نور سے منور کرنے کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کو ہمیشہ کے لیے اپنے ذکر کے ساتھ بلند رکھنے کا وعدہ بھی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا عملاً اظہار فرما رہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو انسانوں کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا اور فرمایا:

"لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ" ﴿الاحزاب: ۲۱﴾

ترجمہ: "فی الحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونہ (حیات) ہے۔" (۱۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر مشکل گھڑی میں اللہ کو یاد کرنے کا احوال کچھ یوں بیان فرمایا:

"قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡہِکَ فِی السَّمَآءِ ۚ" ﴿البقرہ:۱۴۴﴾

ترجمہ: "(اے حبیب!) ہم بار بار آپ کے رُخِ انور کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں۔" (۱۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کی جانب جو سنگ ریزے پھینکے، انھیں اللہ خود سے منسوب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فَلَمۡ تَقۡتُلُوۡہُمۡ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَہُمۡ ۪ وَمَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۚ" ﴿الانفال: ۱۷﴾

ترجمہ: "(اے سپاہیانِ لشکرِ اسلام!) ان کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کر دیا، اور (اے حبیبِ محتشم!) جب آپ نے (ان پر سنگ ریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے۔ " (۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کو اللہ نے اپنا ہاتھ قرار دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کو اپنی بیعت کہا:

"اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ؕ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ ۚ" ﴿الفتح: ۱۰﴾

ترجمہ: "(اے حبیب!) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر (آپ کے ہاتھ کی صورت میں) اللہ کا ہاتھ ہے۔ " (۱۴)

اللہ نے قرآنِ مجید میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت و فرماں برداری قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ ۚ" ﴿النسآ: ۸۰﴾

ترجمہ: "جس نے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا۔" (۱۵)

مقامِ محمود سے متعلق فرمایا:

"عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا" ﴿بنی اسرائیل: ۷۹﴾

ترجمہ: "یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا (یعنی وہ مقام شفاعتِ عظمٰی جہاں جملہ اوّلین و آخرین آپ کی طرف رجوع اور آپ کی حمد کریں گے)۔"(۱۶)

متذکرہ بالا تمام آیات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نعت کے مترادف ہیں۔ اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اوصاف و اخلاق کا بیان قرآنِ مجید میں کر دیا۔ سورہ مزمل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صادق ہونے کی گواہی بھی دے دی۔ ان سب آیات سے ہمیں نعتِ شہِ دوسرا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوعات و آداب سے آگاہی ملتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ نعت کے بیان کی تاکید و ترغیب بھی۔

۳) عہدِ نبویؐ میں نعت :

نعت گوئی یا مدحتِ شہِ دوسراؐ کا آغاز، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں ہی ہو گیا تھا، بلکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفارِ مکہ کی ہرزہ سرائی کا منھ توڑ جواب دینے کے لیے حضرت حسان بن ثابت کو جوابی اشعار لکھنے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی مرتبہ مسجدِ نبوی میں تشریف فرما ہوتے اور حضرت حسان بن ثابت کے نعتیہ اشعار سماعت فرماتے اور بعض اشعار پر پسندیدگی کا اظہار بھی فرمایا کرتے۔ بعض اشعار سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصلاح بھی فرمادیا کرتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مربی و محسن جناب ابو طالب نے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں زبان کھولی. "سیرۃ النبی" میں ابن ہشام نے ایک قصیدے کے سات اشعار درج کیے ہیں، جس میں جناب ابو طالبؒ نے نہایت پُرجوش انداز میں نبی کریمؐ کی ثنا بیان کی اور اپنے خاندان کی خصوصیات کا ذکر کیا۔ مولانا عبد اللہ عباس ندوی اپنی کتاب "عربی میں نعتیہ کلام" میں ادبی دنیا کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ابو طالب پہلے فرد ہیں جن کی مبارک زبان سے آپؐ کی ثنا میں اشعار جاری ہوئے۔ مولانا عبد اللہ عباس ندوی اپنے ایک مضمون "عربی میں نعت کا ابتدائی سرمایہ، ابو طالب کی نعتیں" میں ابن ہشام کی کتاب "سیرۃ النبی" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "سیرۃ النبی میں ابن ہشام نے اس قصیدہ کے سات شعر نقل کئے ہیں جن کو ہم سب سے پہلی نعت قرار دے رہے ہیں۔ کیوں کہ اس قصیدہ سے پہلے کوئی کلام ایسا نہیں ملتا جس میں براہِ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت یا مدح ہو، اس قصیدے کے ابتدائی تین شعر یہ ہیں :

اذا اجتمعتْ یومًا قریش لِمُفتخرِ
فعَبدُ منافِ سِرّھا وصمیمھا

وِان حصلت أشراف عبد منافھا
وفی ھاشم أشرافھا وقدیمھا

وِان فخرت یوماً فاِن محمداً
ھو المصطفٰی من سرھا وکریمھا

اس قصیدہ کے باقی چار اشعار کارُخ قریش کی طرف ہے۔ " (۱۷)

اسی ذیل میں جناب ابو طالب کے اور اشعار بھی ملتے ہیں، خاص طور پر ایک طویل قصیدہ جس کا مطلع ہے :

"وَ لَمّا رأیتُ القومَ لاودَّفیھم
وَقَدْ قطعوا کلَّ العریٰ والوسائلِ

ترجمہ: "جب کہ میں نے دیکھ لیا کہ لوگوں میں اُنس و محبت نہیں رہی اور تمام وسائل اور ہر کڑی توڑ چکے ہیں۔ " (۱۸)

اس قصیدے کے اشعار کی تعداد ۹۵ ہے۔

پروفیسر اختر الواسع نعت گوئی کی روایت کے آغاز و ارتقا کے بارے میں لکھتے ہیں :

"نعت ایک اہم صنف ہے۔ نعت گوئی کا باقاعدہ آغاز تو حضرت ابو طالب نے کیا بعد میں اصحاب رسولؐ نے بھی نعت گوئی کا سلسلہ شروع کیا جس کی توثیق خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی۔ نعت گوئی کی روایت عہد صحابہ سے موجودہ عہد تک مسلسل قائم ہے صرف تمام مسلم شعرا نے ہی نہیں، بہت سے غیر مسلم شعرا نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کا منظوم تذکرہ کر کے اس فن کو اعتبار بخشا۔ " (۱۹)

شعرا نے ہر عہد اور ہر زبان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں اپنے اپنے انداز سے نعت کا نذرانہ پیش کیا اور ثناخوانِ شہِ دو سراؐ کی مبارک فہرست میں شامل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ حضرت حسّان بن ثابت بارگاہ نبویؐ میں اپنا نذرانۂ عقیدت پیش کر کے شاعر رسولؐ کے خطاب سے سرافراز ہوئے :

"وَاَحْسَنُ مِنکَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَیْنِی
وَاَجْمَلُ مِنکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاء

ترجمہ: "آپ سے زیادہ خوب رو میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ ہی آپ سے زیادہ صاحبِ جمال کو عورتوں نے کبھی جنا ہے۔

خُلِقْتَ مُبَرَّئاً مِّنْ کُلِّ عَیْبِ
کَاَ نَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَاءُ

ترجمہ: آپ ہر طرح کے عیوب و نقائص سے پاک پیدا کیے گئے ہیں گویا کہ آپ اپنی حسب خواہش پیدا ہوئے ہیں۔ " (۲۰)

اسی طرح ایک اور جلیل القدر صحابی حضرت کعب بن زہیر کے ایک طویل قصیدے "قصیدہ بردہ" کے صرف ایک شعر پر ہزار ہا شعری مجموعے اور بیاضیں قربان کہ اس شعر پر نبی کریمؐ نے انھیں اپنا پیرہنِ مبارک عطا فرما کر شاعر و شعر دونوں کو حیاتِ جاوداں بخشی۔ یہ قصیدہ "قصیدۂ بردہ: بانت سُعاد" کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ اس قصیدے کا ۵۳واں شعر جو نعت کی بہترین مثال ہے۔ ذیل میں وہ شعر درج کیا جا رہا ہے:

"اِنَّ الرَّسُولَ لَسَیۡفٌ یُسۡتَضَاءُ بِہٖ
مُھَنَّدٌ مِنۡ سُیُوفِ اللّٰہِ مَسۡلُوۡلُ

ترجمہ: بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شمشیر ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، وہ شمشیر جو ہندی لوہے کی بنی ہوئی ہے۔ اللہ کی تلوار جو نیام سے نکلی ہوئی ہے۔ " (۲۱)

قصیدہ بردہ کے نام سے ایک دوسرا قصیدہ بھی ہے جو امام بوصیری کا تحریر کردہ ہے۔ یہ قصیدہ گزشتہ کئی برس سے زبان زدِ خاص و عام ہے۔ اس کا لطف و کیف ہزار ہا مرتبہ پڑھنے یا سننے پر بھی کم نہیں ہوتا۔ یہ قصیدہ اتنا مشہور ہوا کہ عربی، فارسی اور اردو شعرا نے اس کی سینکڑوں تضامین لکھیں۔ قصیدہ کا مطلع اور دوسرا شعر کچھ یوں ہیں :

"اَمِنۡ تَذَکّرِ جِیۡرَانٍ بِذِی سَلَمِ
مَزَجۡتَ دَمۡعًا جَرٰی مِنۡ مُقۡلَۃٍبِدَمِ

اَم ھبّتِ الرِّیحُ مِن تِلۡقَاءِ کاظِمَۃٍ
و اَوۡمَضَ البَرۡقُ فی الظلۡماءِ من اِضَمِ

ترجمہ: تیری آنکھوں سے یہ خون آلود آنسو کیوں رواں ہیں، کیا ذوسلم کے پڑوسی یاد آرہے ہیں؟
یا کاظمہ کی جانب سے کوئی ہوا لی ہے، یا تاریکی میں اضم کی پہاڑی سے کوئی بجلی چمکتی دیکھ لی ہے؟ " (۲۲)

مذکورہ بالا شعرائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ بھی ایک لمبی فہرست ہے جن کی نعت کو خود رسولؐ نے سماعت فرمایا اور مسرت کا اظہار کر کے نعت گوئی کو پاکیزگی و تقدس عطا فرمایا۔ ان میں

خلفائے راشدین، ام المومنین حضرت عائشہ اور پسرانِ علی، حضرت حسن و حسین کے اشعار خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

۴) اردو میں نعتیہ شاعری-اجمالی جائزہ :

ہمارا موضوع نعتیہ شاعری کے تلمیحاتی مطالعہ سے متعلق ہے، اس لیے اس حصہ میں ہم اردو شاعری میں نعتیہ روایت کا اجمالی جائزہ لیتے ہوئے، آگے بڑھیں گے۔ نعتِ شہِ دوسراؐ دراصل اصنافِ ادب میں سے وہ نازک صنف ہے جس میں طبع آزمائی کرنا خاصا دشوار ہے۔ بقول ہمام الدین علاء تبریزی:

"ہزار بار بشویم دہن بہ مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است" (۲۳)

اردو زبان کو بھی عربی و فارسی کی طرح فنِ نعت گوئی میں ممتاز مقام حاصل ہے۔ شعرائے اردو نے اس صنف میں اپنی ایک منفرد پہچان بنائی۔ بقول مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی:

"نعت گوئی عشقِ رسول اور شوقِ مدینہ ہندوستانی شعرا کا محبوب موضوع رہا ہے اور فارسی شاعری کے بعد سب سے بہتر اور سب سے موثر نعتیں اردو ہی میں ملتی ہیں۔" (۲۴)

زبانِ اردو کی تقریباً تمام قدیم اصناف کی ابتدا دکن سے ہوئی۔ اردو کی قدیم مثنویاں اس کی بہترین مثال ہیں۔ ان مثنویوں میں کئی مقامات پر نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی نہ کوئی مثال مل جاتی ہے۔ دکنی مثنویوں میں اردو نعت کا ایک شان دار ماضی ملتا ہے اور یہ سلسلہ قدیم دور سے ہوتا ہوا عہدِ جدید تک چلا آتا ہے۔ پروفیسر عبدالستار دہلوی دکنی ادب میں نعت گوئی کی ابتدا اور تاریخ کے بارے میں کہتے ہیں:

"اردو ادب میں دکنی عہد کی قدیم ترین مثنویوں میں نعت گوئی کا رواج پایا جاتا ہے۔ نویں صدی ہجری / پندرھویں صدی عیسویں میں فخر دین نظامیؔ نے اپنی مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" میں نعتیہ اشعار کہے ہیں۔ دسویں صدی ہجری / سولہویں صدی عیسوی میں گجرات کے مشہور صوفی شاعر خوب محمد چشتی نے "خوب ترنگ" اور اس کی شرح "امواج خوبی" تصنیف کی۔ اس کے بعد مثنویوں میں حمد کے ساتھ ساتھ نعت اور منقبت لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ گیارہویں صدی ہجری میں ملّا وجہیؔ اور ملّا

نصرتیؔ کے علاوہ سبھی شعرا نے نعت نگاری پر قلم اٹھایا۔ یہ سلسلہ عہد قدیم سے انیسویں صدی کے اواخر تک جاری ہے اور تقریباً ہر شاعر نے چاہے وہ غزل گو رہا ہو یا مثنوی نگار، نعت گوئی کے دلکش نمونے یادگار چھوڑے ہیں " (۲۵)

اردو میں باقاعدہ نعتیہ روایت کا آغاز سولہویں اور سترویں صدی عیسوی میں ہوا، جب اردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر قلی قطب شاہ نے نعت کی مستقل حیثیت قائم کی۔ ان کے کلیات میں عیدِ میلاد النبی پر چھ، بعثت نبی پر پانچ، شب معراج پر ایک نظم اور پانچ نعتیہ غزلیات اور نعتیہ رباعیات شامل ہیں۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں ولیؔ دکنی کا نعتیہ کلام اردو نعت کے ارتقائی سفر میں ایک نئے سنگِ میل کی نشان دہی کرتا ہے۔ ولیؔ کے معاصرین میں قاضی محمود بحریؔ نے اپنی صوفیانہ شاعری کی بدولت شہرت حاصل کی ہے۔

الطاف حسین حالیؔ اردو شاعری کے دورِ جدید کے اہم نعت گو شاعر ہیں۔ جن سے اردو میں نعتیہ شاعری کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ حالیؔ کے نعتیہ کلام کی مقدار بہت کم ہے لیکن معیار میں بہت اعلا و ارفع ہے۔ بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری: "پرانی غزلوں کو چھوڑ کر ان کی شاعری کا شاید ہی کوئی جز ہو جس میں آنحضرتؐ کی سیرت اور پیغام کا عکس صاف نظر نہ آتا ہو۔ " (۲۶)

ذیل میں ہم ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق کی تصنیف "اردو میں نعتیہ شاعری" کی مدد سے اردو زبان و ادب میں نعتیہ اشعار کہنے والے شعرا کی ایک فہرست مرتب کرتے ہیں۔ جس سے اردو شاعری کی نعتیہ روایت سے آگاہی ہو سکے۔

عہد قدیم میں جن شعرا نے اپنی مثنویوں یا قصائد میں نعتیہ اشعار کہے ان میں؛ سید محمد حسینی، سید محمد اکبر حسینی، نظامی، صدر الدین، بہروچی، قلی قطب شاہ، غواصی، صنعتی، ابنِ نشاطی، نصرتی، قدرتی اور فتاحی کے نام نہایت اہم ہیں۔

ان کے بعد جن شعرا نے نعتیہ اشعار کہے ان کی فہرست یہ ہے؛ سراج اورنگ آبادی، سودا، نوازش علی، مولانا باقر آگاہ اور نظیر اکبر آبادی۔

متوسطین میں سے اردو میں نعتیہ اشعار کہنے والوں کے نام یہ ہیں؛ مولوی کرامت علی، حکیم مومن خاں مومن، راجہ مکھن لال مکھن، لطف علی خاں لطف، نواب اختر محل اختر، مولوی غلام امام شہید اور منشی شنکر لال ساقی۔

عصرِ جدید میں امیر مینائی، محسن کاکوروی، شایق حیدر آبادی، الطاف حسین حالی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا احمد رضا خاں، مولانا حسن رضا خاں، نظم طباطبائی، مظفر الدین معلٰی، عزیز لکھنوی، علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خاں، سید امجد حسین امجد حیدر آبادی، سید افضل خاں طوفان، عبد القدیر حسرت، نواب فصاحت جنگ، جلیل، اکبر میرٹھی، دیورام کوثری، سید محمد ہادی، الیاس برنی، حفیظ جالندھری، بہزاد لکھنوی، ماہر القادری، عرش ملسیانی، نور جہاں نور، رسول جہاں بیگم بیدل، نوشابہ خاتون، تہنیت النسا بیگم، مظفر وارثی، احمد ندیم قاسمی، ساغر صدیقی، عزیز احسن، ڈاکٹر ریاض مجید، ڈاکٹر منور ہاشمی، صبیح الدین رحمانی، انور مسعود، جلیل عالی ریاض حسین چودھری، مقصود علی شاہ، شاکر القادری اور دلاور علی آزر کے نام اہم ہیں۔

۲۔ علمِ بدیع:

بدیع کے لغوی معنی بنانے والا، موجد، نیا، نادر یا انوکھا کے ہیں۔ "اردو لغت" میں اس کے معنی یوں ہیں:

"۱۔ عجیب و غریب، نادر، انوکھا، نوایجاد۔
2۔ موجد، خالق، بغیر نمونے کے کوئی چیز بنانے والا۔
3۔ نوایجاد شے" (۲۷)

بدیع کسی انوکھی یا عجیب و غریب شے کو کہا جا سکتا ہے۔ اصطلاحِ بلاغت میں اس سے مراد وہ علم ہے، جس کے ذریعے کسی کلام کی لفظی و معنوی خوب صورتی کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ یعنی یہ وہ علم ہے جس کی بنا پر یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ تحریر یا کلام میں خوب صورتی کیوں کر پیدا کی جا سکتی ہے۔ تحریر یا کلام کی زیبائش کن ذرائع سے ہو سکتی ہے۔ اس علم کے ذریعے کلام کے حسن و جمال اور دیگر محسنات پر بحث کی جاتی ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اپنائے گئے تمام طریقوں کو صنعتیں، صنائع یا محسنات کہتے ہیں۔ اور ان کا استعمال محض کلام کے حسن کے لیے کیا جاتا ہے۔ یعنی ان کے استعمال نہ کرنے سے کلام کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن اگر انھیں استعمال کیا جائے تو کلام کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ بدیع سے متعلق متقدمین کے ارشادات کی روشنی میں ہم اس بحث کو آگے بڑھاتے ہیں۔ سید عابد علی عابد کے مطابق علومِ شعریہ کے سلسلہ میں محسنات کا لفظ پہلے پہل شمس الدین فقیر کے ہاں ملتا ہے۔ یعنی ہمارا سابقہ ایک ایسے علم سے ہے جس کی جمالیات و خوب صورتی متقدمین پر واضح تھی۔ گو ان کے خیال میں اظہارِ حسن کے بعد ابلاغ کے مراحل طے کرتے وقت شعر

کے محسنات پیدا کیے جاتے ہیں۔ البتہ اساتذہ فن بھی اظہار کے بعد ابلاغ کے سلسلہ میں سعی کے حامی ہیں۔ بقول آتش :

"بندشِ الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا"

(حیدر علی آتش، www.Rekhta.com)

بدیع سے متعلق سحر بدایونی فرماتے ہیں:

"علمِ بدیع علم محسناتِ کلام کا ہے جو الفاظ و معانی میں ہوتے ہیں لیکن وہ محسنات بر سبیلِ استحسان نہ ہوں، نہ بر سبیلِ وجوب ---۔ اگر صنائع بھی ہوں تو مستحسن ہو گا ورنہ کچھ مضائقہ نہیں۔" (۲۸)

سجاد مرزا کے بقول:

"اس علم کو جس سے تحسین و تزینِ کلام کے طریقے معلوم ہوتے ہیں، علمِ بدیع کہتے ہیں۔" (۲۹)

نجم الغنی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"بدیع ایک علم یعنی ملکہ ہے جس سے چند امور ایسے معلوم ہو جاتے ہیں جو خوبی کلام کا باعث ہوتے ہیں مگر اول اس بات کی رعایت ضروری ہے کہ کلام مقتضائے حال کے مطابق ہو اور اس کی دلالت مقصود پر خوب واضح ہو کیوں کہ ان دونوں خوبیوں کے بعد ہی کلام میں محسنات سے حسن و خوبی آسکتی ہے---۔" (۳۰)

سید عابد علی عابد لکھتے ہیں:

"علمِ بدیع وہ علم ہے جس سے تزئین و آرائشِ کلام کے اسباب و وجوہ معلوم ہوتے ہیں۔" (۳۱)

متذکرہ بالا تمام تعریفوں کے پیشِ نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ علمِ بدیع ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعے کلام کے محسنات یا خوبی ہائے شعر معلوم ہو پاتے ہیں۔ یہ محسنات تخلیق کار شعوری اور غیر شعوری ہر دو طور سے کلام میں لاتا ہے۔ البتہ شرط یہ ہے کہ کلام فصیح و بلیغ ہو۔ اگر محسنات کے شعوری استعمال سے کلام کے ابلاغ میں دشواری ہو تو پھر محسنات وجوب کا روپ دھار لیتے ہیں۔ ہر تخلیق کار کا بنیادی مقصد اظہار کے ساتھ

ابلاغ بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر محسنات کے استعمال سے کلام میں بلاغت کا عنصر متاثر ہو رہا ہو تو مناسب ہے کہ ان محسنات کو شعوری طور پر کلام میں نہ لایا جائے۔

روایت :

علمِ بدیع کے آغاز کا سراغ لگانا تو نہایت مشکل عمل ہے۔ کیوں کہ ہزاروں برس سے شاعری تخلیق ہو رہی ہیں، وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ شعر کو خوب صورت بنانے کے لیے پہلے پہل کس نے بدیع کا استعمال کیا۔ البتہ سید عابد علی عابد کی تحقیق سے ہمیں یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ فارسی زبان و ادب میں پہلے پہل ان کا استعمال فارسی زبان کے ہندوستانی شاعر امیر خسرو نے کیا۔ امیر خسرو نے "اعجازِ خسروی" تخلیق کی۔ جس میں انھوں نے بہت سی صنائع خود سے شامل کیں۔ امیر خسرو کے معاصرین میں سے عاشقِ صادق کا نام اس سلسلے میں بہت اہم ہے۔ انھوں نے اپنی تصنیف "جامع الصنائع" میں عروض و صنائع پر مفصل بحث کی ہے۔ اس کے بعد ۷۳۱ھ میں ایک شاعر حسن نے "بحر الصنائع" تخلیق کی۔ یہ منظوم کتاب ہے اور اس میں صنعتوں کا تعارف اور ان کے استعمال کی مثالیں دونوں نظم کی صورت میں موجود ہیں۔

ہندوستان میں شعری علوم سے متعلق جو کتاب سند کا درجہ رکھتی ہے وہ "حدائق البلاغت" ہے۔ یہ مولوی میر شمس الدین فقیر کی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں شمس الدین فقیر نے علمِ بیان، بدیع، عروض، قوافی اور فنِ معما سے متعلق مفصل بحث کی ہے۔

اردو زبان و ادب میں شعری علوم سے متعلق جو کتاب سب سے اہم سمجھی جاتی ہے وہ نجم الغنی کی "بحر الفصاحت" ہے۔ یہ شعری علوم پر مفصل ترین کتاب ہے۔ اس سے متعلق سید عابد علی عابد لکھتے ہیں:

> "اردو میں "بحر الفصاحت" ہی ایک ایسی کتاب ہے جو علومِ شعریہ کے مختلف اصناف سے یوں بحث کرتی ہے کہ وحدت تالیفی کا سراغ ملتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو اپنے موضوع پر کس قدر عبور حاصل ہے۔" (۳۲)

اس کے بعد مرزا محمد عسکری کا نام آتا ہے۔ ان کی تصنیف "آئینہ بلاغت" ہے۔ اس کتاب میں بھی بیان و بدیع اور عروض پر بحث کی گئی ہے لیکن زیادہ تر اساتذہ کے اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ "آئینہ بلاغت" کے بارے میں عابد علی عابد کہتے ہیں :

"آئینہ بلاغت مرزا محمد عسکری کی تالیف ہے۔ ان کے ہاں بھی بیان اور بدیع اور عروض سے بحث کی گئی ہے لیکن انہوں نے بھی بیشتر متقدمین کے کلام کو نقل کر دیا ہے اور کسی نئی بحث میں نہیں الجھے۔ " (۳۳)

اقسامِ بدیع:

حسن کلام کی ظاہری صورت میں بھی ہوتا ہے اور معنی میں بھی، اس لیے صنائع کی دو قسمیں بنائی گئی ہیں:

ا۔ صنائع لفظی

ب۔ صنائع معنوی

اس سلسلہ میں سید عابد علی عابد لکھتے ہیں:

"علم بدیع کی تعریف پر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ حسن پیکر میں بھی ہو سکتا ہے اور مطالب و معانی میں بھی۔ اس لیے صنائع دو قسم کے ہیں۔ لفظی و معنوی " (۳۴)

علم بدیع اگرچہ لفظی و معنوی خوبیوں کا مجموعہ ہے لیکن کلام میں صنائع بدائع کا مناسب استعمال ہی کلام کی خوب صورتی اور زیبائش ہے۔ ان کے بے جا استعمال سے ہر ممکن گریز کیا جانا چاہیے۔ کلام یا تحریر میں بدیع کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کھانے میں نمک یا حسین کے گال پر تل، جب تک اعتدال رہے گا تو بہتر ثابت ہوں گے، جب حد سے تجاوز کر جائیں گے تو برے معلوم ہوں گے اور ان کی کثرت سے طبیعت اکتا جائے گی۔

۳۔ تلمیح:

ادب میں ہمیشہ سے بہت سی تراکیب، استعارات، مثالیں، تعبیریں اور بہت کچھ ضرورت کے تحت شامل ہوتا آیا ہے۔ جن کی اپنے اپنے عہد میں بہت اہمیت رہی اور ان سے دامنِ ادب مالامال ہوتا رہا۔ انھی خوب صورت اضافوں میں ایک "تلمیح" جیسی صنعت بھی ہے۔ جسے شاعری و نثر ہر دو میں آسانی اور کم وقت میں بات سمجھانے کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ ابتدا میں یہ ایک غیر مانوس صنعت تھی۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ اسے قبول عام حاصل ہوتا چلا گیا۔ بلکہ اسے ایک مستقل دبستان کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اور اسے اساتذۂ فن کی خصوصی دل چسپی حاصل ہونے لگی۔

شاعری میں بیان و بدیع کی بدولت جو محسنات پائے جاتے ہیں ان میں صنعتِ تلمیح کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ تلمیح کے استعمال سے شعر دلچسپ اور خوب صورت ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے تشریح و تفہیم کے

تقاضے بہ خوبی نبھائے جاسکتے ہیں۔ جس سے شاعر کے ادراک کا کینوس وسیع و بلیغ ہوتا ہے۔ اگر تمثیل علمِ بیان کی جان ہے تو تلمیح اس کی روح ہے، جس کی بدولت فکر کا دائرہ وسیع اور مضبوط ہوتا ہے۔ یوں شاعر کی شاعری روایت، تہذیب، ثقافت، سماج، تاریخ، مذہب اور عالم گیر فکری اثاثے کی حامل بن جاتی ہے۔

صنعتِ تلمیح ایک وسیع و عریض میدان ہے، جس کی کئی انواع و اقسام ہیں۔ عرفِ عام میں اس کی تعریف یوں کی جائے گی کہ جب شعر میں کسی مشہور تاریخی واقعہ، آیت یا حدیث کا تذکرہ کیا جائے تو اسے صنعتِ تلمیح کہا جائے گا۔ ہم یہاں پوری گہرائی و گیرائی سے صنعتِ تلمیح کے بارے میں معلومات بہم کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ میدانِ ادب کا شناور، علم البیان کا رسیا تلمیحات کے گراں قدر ذخیرے سے مکمل طور پر آگاہی حاصل کر سکے۔

تلمیح کی ضرورت و اہمیت سے متعلق بس یہ کہنا کافی ہے کہ اس کا استعمال کلام میں فصاحت و بلاغت اور حسن و تاثیر پیدا کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس سے مختصر انداز اور الفاظ میں بڑی بڑی باتیں بیان کر دی جاتی ہیں اور ان حقائق کو سمو دیا جاتا ہے جن کے بیان کرنے اور سمجھانے کے لیے دفتر کے دفتر درکار ہوں۔ قرآنِ مجید میں جابجا تلمیحات کا استعمال کیا گیا ہے اور لوگوں کو ان واقعات کی جانب اشارہ کیا گیا ہے جو ان سے پہلے رونما ہو چکے تھے۔ تلمیحات کے ذریعے ہم بے جا تشریحوں سے بچ کر کفایتِ وقت، ایجاز اور تاثیر کا فیض پاتے ہیں۔ عربی، فارسی اور ہندوستان کی زبانوں میں تلمیح کا استعمال بہت عام ہے اور اسے شاعری کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اردو زبان نے بھی تلمیح کی شعری افادیت سے کبھی منھ نہیں موڑا۔ اردو کے تمام چھوٹے بڑے شعرا تلمیح کو شاعری میں برتتے ہیں۔ تلمیحات ادب کی جان ہیں۔ نثر ہو یا نظم، ان معنی خیز اشاروں سے ادبا و شعرا اپنی تخلیق میں بلاغت کی روح پھونکتے ہیں۔

۱) معنی و مفہوم:

تلمیح عربی زبان سے اسم مشتق ہے۔ اس کے معنی اشارہ کرنے کے ہیں۔ ابتدائے آفرینش میں جب انسان کے پاس خیالات کی ترسیل کے لیے الفاظ نہ تھے، تو وہ اشاروں سے اپنا مدعا دوسروں کے گوش گزار کرتا۔ بعد میں جب انسان خیالات کی ترسیل کے لیے زبان کا استعمال کرنے لگا تو اس نے ان اشاروں کو تلمیح کا نام دیا۔ ڈاکٹر مصاحب علی صدیقی اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

> " تلمیح علمِ بیان کی نہایت اہم صنعت ہے۔ اس کی قدامت اس طرح مسلم الثبوت ہے جیسا کہ تمدن و معاشرت کی تاریخ۔ ابتدائے آفرینش سے اس صنعت کا گہرا لگاؤ

انسانی تمدن سے رہاہے۔ ارتقا کی ہر منزل میں اس کے نقوش پائے جاتے ہیں۔ دنیا کی جن قوموں میں الفاظ نہیں تھے وہ اپنے خیالات و جذبات کو سمجھانے کے لیے ہاتھ پاؤں سے اشارہ کرتی تھیں اور جب انھیں زبان ملی تو انھوں نے اپنی حرکات وسکنات کو تلمیح کا نام دیا۔ اس لیے کہ تلمیحات نے وہی کام کیا جو ان کے اشارے کرتے تھے۔" (۳۵)

لغت میں تلمیح کے معنی اشارہ یا کنایہ کے ہی ہیں۔ بعض اسے صرف تاریخ کی طرف اشارہ تک محدود کرتے ہیں اور بعض کے نزدیک قرآنی آیات یا احادیث کی طرف اشارہ کرنا ہی تلمیح ہے۔ تلمیح در حقیقت کسی بھی قصہ مشہور یا قرآنی آیات و احادیث یا علمی و فنی اصطلاح وغیرہ کی طرف اشارہ کرنے کو کہتے ہیں۔ ایسا اشارہ جس کی توضیح کیے بنا کلام کا اصل مطلب واضح نہ ہونے پائے۔ نجم الغنی "بحر الفصاحت میں لکھتے ہیں :

"۔۔۔شاعر اپنے کلام میں کسی مسئلہ مشہور یا کسی قصے یا کسی مثل شائع یا اصطلاحِ نجوم وغیرہ کسی ایسی بات کی طرف اشارہ کرے جس کے بغیر معلوم ہوئے اور بے سمجھے اس کلام کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں نہ آئے" (۳۶)

معیار البلاغت میں ہے:

" تلمیح یا تملیح وہ صنعت ہے کہ کلام مشتمل ہو کسی قصہ معروف یا مضمونِ مشہور پر" (۳۷)

"اردو لغت" کے مطابق تلمیح کے معنی کچھ یوں ہیں:

"ا۔ اشارہ، کنایہ

۲۔ کلام میں کسی مشہور مسئلے، حدیث، آیت، قرآنی قصے یا مثل یا کسی اصطلاحِ علمی و فنی کی طرف اشارہ کرنا جس کو سمجھے بغیر مطلب واضح نہ ہو۔" (۳۸)

ثوبان سعید فرہنگِ تلمیحات میں لکھتے ہیں:

" تلمیح کے لغوی معنی کسی چیز کی طرف اشارہ کرنا یا کسی چیز پر اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالنا مراد لیا جاتا ہے لیکن علم بدیع کی اصطلاح میں تلمیح اس صنعت کا نام ہے جس میں نظم یا نثر میں اشارے کے طور پر کسی مشہور افسانے، قصے، واقعے، احادیث و آیاتِ قرآنی کا اس طرح ذکر کیا جائے کہ بغیر اس کو جانے ہوئے کلام کا لطف حاصل نہ ہو سکے۔"(۳۹)

مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تلمیح نام ہے؛ کلام میں ماضی کے کسی واقعے، قصے یا حادثے کی طرف اشارہ کرنا یا قرآنی آیات و احادیث کی طرف اشارہ کرنے کا۔ لیکن محض اشارہ کر دینا کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس اشارے کے ساتھ کلام میں بلاغت کا حسن اجاگر کرنا مقصود ہے۔ تلمیح کا استعمال کلام کی زینت و زیبائش اور بلاغت کے لیے کیا جاتا ہے نہ کہ کلام کو مبہم بنانے کے لیے۔ کلام میں تلمیح کو اس انداز سے لایا جاتا ہے کہ وہ اپنا مکمل مفہوم واضح کرتی ہے۔ اور اس کی توضیح کے بنا کلام کو سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مثلاً غالب کا یہ شعر دیکھیے :

"نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا"

(اسد اللہ خاں غالب، دیوانِ غالب، ص ۱)

اب اگر اس شعر کے مفہوم کو ٹھیک سے سمجھنا ہو تو لازم ہے کہ اس میں برتی گئی تلمیح "کاغذی پیرہن" کی توضیح کی جائے۔

۲) اہمیت و افادیت :

مرصع سازی یا الفاظ کی ہم آہنگی اور لفظی و معنوی محسنات کے درست اور بر وقت استعمال کا نام شاعری ہے۔ شاعری قلبی جذبات و کیفیات کی عکاس اور خیالات کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے۔ شعر کے ذریعے چند الفاظ یا اشاروں کے استعمال سے کسی پس منظر کی وضاحت کی جاسکتی ہے انھیں الفاظ کو تلمیح کا نام دیا جاتا ہے۔ تلمیح ایک لفظ یا چند الفاظ کا مجموعہ ہے جو شعر میں لفظ و معنی کا ایک آہنگ پیدا کرتی ہے۔ جس کی بدولت شعر میں غنائیت اور موسیقیت پیدا ہوتی ہے۔ تلمیح میں مختلف ادوار کے نقوش ملتے ہیں۔ اسی لیے ہر دور کی تلمیحات خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ جس طرح کسی شعر میں الفاظ کا باہم متناسب ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح اس شعر میں شامل کیے جانے والے قصے یا مضمون کا باہم متناسب ہونا لازم ہے۔ تاکہ شعر کی ترسیل بلیغ انداز میں ہو۔ شاعری ہو یا نثر ہر دو کا آلہ کار الفاظ ہی ہیں، لیکن یہی الفاظ جب شعر کی صورت میں ڈھلتے ہیں تو ان کی اہمیت اور تاثیر بڑھ جاتی ہے۔ شاعری میں بلاغت ایک اہم عنصر ہے۔ جو شعر مقتضائے حال کے عین مطابق ہو گا وہی فصاحت و بلاغت کی معراج ہے۔ شاعری میں تلمیح بھی ایک ایسے جزو کی طرح ہے۔

پہلے پہل تلمیح کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ انسان کو طویل قصے سننے اور سنانے میں وقت کی قلت کا مسئلہ درپیش تھا۔ اس سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے الفاظ یا اشاروں کا مجموعہ وجود میں آیا۔ تاکہ ان اشاروں سے مکمل بات سمجھ میں آجائے اور یوں ان اشاروں کو تلمیح کا نام دے دیا گیا۔ یہ مختصر اشارے اپنے اندر قومی و تہذیبی اور تمدنی پس منظر لیے ہوئے ہیں۔ تلمیح نثر میں بھی استعمال ہوتی ہے مگر اس کا اثر شاعری میں جس قدر معنی و مفہوم پیدا کرتا ہے، نثر میں اتنا نہیں۔ کیوں کہ تلمیح ایک ہی شعر میں مختلف انداز سے لفظی و معنوی اور صوتی آہنگ پیدا کرتی ہے۔ تلمیح کی بنیاد ان چیزوں پر ہے جو پہلے سے مشہور ہیں۔ کیوں کہ یہ خود ساختہ نہیں ہے، بلکہ یہ مشہور و معروف واقعے، قصے یا کہانیوں پر مبنی ہے۔ اور شاعر بس ان قصوں، کہانیوں سے استفادہ کرتا ہے۔ ''افادات سلیم'' میں وحید الدین سلیم نے تلمیح کے بارے میں آسبورن کی یہ بات نقل کی ہے :

> " تلمیحات کیا ہیں؟ ہماری قوم کے قدموں کے نشانات ہیں جن پر پیچھے ہٹ کر ہم اپنے باپ دادا کے خیالات، مزعومات، اوہام، رسم ورواج اور واقعات و حالات کے سراغ لگا سکتے ہیں۔" (۴۰)

شمس قیس رازی اپنی کتاب "المعجم فی معائیر اشعار العجم" میں تلمیح کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> " تلمیح یہ ہے کہ چند الفاظ بہت سارے معانی پر دلالت کریں۔ جس کے ایک نظر میں کچھ معنی نظر آئیں اور دوسری نظر میں کچھ اور جب شاعر تھوڑے الفاظ جو بہت سے معانی و مفاہیم بیان کرتے ہوئے ان کا استعمال کرے، تو اس کو تلمیح کہتے ہیں۔" (۴۱)

قیس رازی کے بیان سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تلمیح بلاغت کا اعلا درجہ ہے۔ علمِ بدیع کی صنائع معنوی کی ساری صنعتوں میں تلمیح وہ صنعت ہے جو سب سے زیادہ فصیح اور بلیغ ہے۔ تلمیح کی اہمیت وافادیت پر یہ دلیل کافی ہے کہ اس کے ذریعے کم وقت اور مختصر الفاظ میں ایک وسیع مضمون پرو دیا جاتا ہے۔ شاعر اپنے کلام میں حسن و تاثیر پیدا کرنے کے لیے تلمیح کا سہارا لیتا ہے۔ اس سے کلام شان دار، جان دار اور باوقار بنایا جاتا ہے۔ تلمیح کے ذریعے کلام میں حسن و بلاغت پیدا کیے جاتے ہیں۔ وہ باتیں جن کے بیان کرنے کو کئی اوراق کے دفتر درکار ہوں وہ ایک لفظ یا دو تین الفاظ کے مجموعہ میں بیان کر دی جاتی ہیں۔ اور فوراً سے قاری یا سامع کے ذہن میں وہ واقعہ گردش کرنے لگاتا ہے، جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک تلمیحی شعر، غیر تلمیحی شعر کے مقابلے میں زیادہ فصیح و بلیغ اور خوش نما ہوتا ہے۔ اسی طرح نثری کلام میں بھی اس کا

استعمال کیا جاتا ہے۔ تلمیح باذوق قاری و سامع کو چند لمحوں میں پورے پس منظر سے آگاہ کر دیتی ہے۔ یعنی اگر کسی شعر میں قرآنی قصے کی طرف اشارہ کیا جائے تو نہ صرف قاری کا ذہن قرآن کی طرف جائے گا، بلکہ قرآن میں موجود اس قصے کا پس منظر بھی اس کے ذہن میں آجائے گا۔ محمود نیازی لکھتے ہیں:

> " تلمیحی الفاظ کے رواج سے ادیب اور شعرا کو آسانیاں فراہم ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنے خیالات و افکار کو مناسب سانچوں میں ڈھالنے پر قادر ہو جاتے ہیں اور کم وقت میں زیادہ کام کر سکتے ہیں۔" (۴۲)

جس زبان میں تلمیحات کی تعداد کم ہو یا تلمیحات بالکل ہی نہ ہوں، تو اِس زبان کی معنویت ان زبانوں کے مقابلے میں کم ہوتی ہے جن زبانوں میں تلمیحات کی کثرت پائی جاتی ہے۔ اردو زبان میں تلمیحات کی بہت قلت پائی جاتی ہے، لے دے کے چند تلمیحات ہیں۔ جن میں ایک بڑی تعداد غیر ملکی زبانوں کی تلمیحات کی ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس سرزمین میں جتنے واقعات، قصے و کہانیاں ملتی ہیں ان کے حساب سے ان کو ادا کرنے کے لیے مختصر اشارات بھی نہیں ملتے جب کہ دیگر کئی زبانوں میں ان کی کثرت پائی جاتی ہے۔ محمود نیازی نے اپنی کتاب "تلمیحاتِ غالب" میں لکھا ہے :

> "ادبی حیثیت سے ان زبانوں کو مال دار سمجھا جاتا ہے جن میں تلمیحات کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔ انگریزی زبان کی مثال موجود ہے۔ اس میں ہر قوم، ہر مذہب اور ہر لٹریچر کی تلمیحات شامل ہیں اور ان میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ شاہنامہ فردوسی، گلستاں و بوستاں، الف لیلہ، لیلیٰ مجنوں، شیریں و فرہاد اور اسی قسم کی سیکڑوں مشرقی علوم کی کتابوں سے تلمیحات اخذ کر کے ادبیاتِ یورپ میں داخل کی جاچکی ہیں۔ برخلاف اس کے ہماری ہندوستانی زبانیں اور خصوصاً اردو کا دامن تلمیحات سے خالی ہے۔ اس کی بہ ظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وقت کی بہتات اور مشاغل کی کمی سے ہم لوگ تفصیلی گفتگو کے عادی ہو چکے ہیں۔" (۴۳)

تلمیح کے ذریعے ایک ہی وقت میں کلام میں کئی معانی و مفاہیم پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ اور اِنھی تلمیحات کی بدولت کلام کی تاثیر میں اضافہ ہوتا ہے اور کلام کے معنوی پہلوؤں پر روشنی بھی پڑتی ہے۔ ڈاکٹر مصاحب علی صدیقی نے تلمیحات کے موضوع پر اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے "اردو ادب میں تلمیحات" میں مفصل انداز میں تلمیحات کی اہمیت و افادیت اور مقصدیت پر روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے تلمیح کو کلام کا وہ جزو قرار دیا ہے جس کی بدولت کلام کا حسن مکمل رعنائی کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ تلمیح کلام کو حسن بخشتی ہے، کلام میں

ایجاز پیدا کرتی ہے اور کلام کو بلاغت کا مرقع بناتی ہے۔ ساتھ ہی ہمیں اپنے ماضی سے بھی ہم کنار کرتی دکھاتی دیتی ہے۔ لکھتے ہیں:

> " تلمیح دراصل ایک فطری تقاضا ہے، وہ سماج کی ضرورت کا ایک سرچشمہ ہے۔ وہ تمدن کا سنگِ میل ہے، وہ ایجاز و اختصار کی ایک اہم کڑی ہے، وہ حسنِ کلام کا مرقع ہے، عروجِ کمال کی کسوٹی ہے جو نہ صرف ایک قدیم صنعت ہے بلکہ دیگر صنائع کے مقابل میں یہ صنعت نہایت دلچسپ، لطیف اور جامع ہے۔" (۴۴)

کسی بھی زبان کی تلمیحات کو پرکھا جائے، تو ان سے اس زبان کے بولنے والوں کے تمام گزشتہ واقعات اور تاریخ سے آگاہی ملتی ہے۔ ان کے عقائد، اوہام، معاشرتی حالات، رسم و رواج اور مشاغل سے متعلق معلومات ملتی ہیں۔ کوئی قوم کس طرح تمدنی و تہذیبی منازل طے کرتی رہی اور اس کی زندگی میں کیا کیا تغیرات بپا ہوئے ہیں، سب کچھ نظر کے سامنے آجاتا ہے، جب اس کی زبان کی تلمیحات کا مطالعہ کیا جائے۔ مثلاً اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ جرمن، فرانسیسی اور انگریز کیسے کیسے اوہام و خرافات پر ایمان رکھتے تھے اور اب ان کے مذہبی خیالات میں کیا تبدیلی ہوئی، کیسے کیسے واقعات ان اقوام کو پیش آئے، ان کے اسلاف میں سے کون سی شخصیات مشہور ہوئیں اور وہ کن حالات سے دوچار تھیں، تو آپ جرمن، فرانسیسی یا انگریزی زبان کی کسی ایسی لغت کا مطالعہ کریں جس میں اُس زبان کی تلمیحات درج کی گئی ہوں۔ ایک سرسری نظر اس لغت پر ڈالنے سے آپ پر سب کچھ واضح ہو جائے گا۔ تلمیحات شائستہ اقوام کی ادبیات کی روح ہیں۔ ان معنی خیز اشارات سے وہ اپنے کلام میں بلاغت کی روح پھونکتی ہیں۔

۳) اقسامِ تلمیح:

اردو زبان و ادب میں جس قدر تلمیحات استعمال کی گئی ہیں، ان میں سے بیشتر عربی و فارسی زبان و ادب سے اخذ کی گئی ہیں۔ عربی و فارسی ادب میں تلمیحات کی موضوعاتی اقسام بنائی گئی ہیں۔ اسی طرح اردو زبان و ادب میں بھی تلمیحات کی موضوعاتی اقسام اور تلمیحات کی توضیح سے متعلق خاصا کام ہوا ہے۔ ڈاکٹر مصاحب علی صدیقی نے اپنی تصنیف "اردو ادب میں تلمیحات" میں تلمیحات کی موضوعاتی اقسام پر مفصل بحث کی ہے۔ وحید الدین سلیم نے تلمیح کی تعریف و مآخذ پر مفصل بحث کی ہے اور تلمیح کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، ادبی تلمیحات اور عام تلمیحات۔ لیکن اردو زبان و ادب میں تلمیحات کی فنی درجہ بندی کے حوالے سے

صرف ڈاکٹر عطا الرحمٰن صدیقی کی تالیف " اردو شاعری میں اسلامی تلمیحات " میں کچھ اولین نقوش ملتے ہیں۔ڈاکٹر عطاالرحمٰن صدیقی نے تلمیح کا ادبی جائزہ لیتے ہوئے تلمیح کو علمِ بیان سے جوڑنے کی سعی کی ہے۔ جس سے تلمیح کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوا ہے۔ ہم اسی ادبی جائزے سے استفادہ کرتے ہوئے زیرِ تحقیق مقالہ میں تلمیح کی درجہ بندی کچھ یوں کریں گے، تلمیح کی موضوعاتی اقسام اور فنی اقسام۔ اس سے جہاں اردو کی نعتیہ شاعری میں تلمیحاتی کی معنوی وسعتوں کا اندازہ لگانا آسان ہو گا، وہیں تلمیحات کی فنی درجہ بندی کے حوالے سے بنیادی مباحث سامنے آئیں گے۔

موضوعاتی اقسام:

صنعتِ تلمیح کو موضوعاتی اعتبار سے مختلف اقسام میں منقسم کیا گیا ہے۔ مثلاً مذہبی تلمیحات، تاریخی تلمیحات، علمی و اصطلاحی تلمیحات، بیگماتی تلمیحات، جغرافیائی تلمیحات، رسمی تلمیحات، تہذیبی تلمیحات وغیرہ۔ زیرِ تحقیق مقالہ چوں کہ نعتیہ شاعری میں تلمیحات سے متعلق ہے۔ لہذا ہم یہاں تلمیح کی موضوعاتی اقسام میں سے انھیں اقسام پر بحث کریں گے جو نعتیہ شاعری میں مستعمل ہیں اور جن کا استعمال نعوت میں بہ کثرت کیا جاتا ہے۔ یہ وہ تلمیحات ہیں جن کی بدولت نعتیہ اشعار کو بلاغت کا جامہ پہنایا جاتا ہے۔ ان میں سرِ فہرست مذہبی یا اسلامی تلمیحات ہیں، پھر تاریخی تلمیحات اور علمی و اصطلاحی تلمیحات ہیں۔ یہاں ہم ان اقسام کا اجمالاً ذکر کرتے ہیں، مفصل بحث آئندہ ابواب میں شامل کی جائے گی۔

- ### مذہبی تلمیحات:

مذہب کی بنیاد عقیدہ ہے۔ اس لیے مذہبی تلمیحات میں وہ تمام تلمیحات شامل ہیں، جن کا تعلق عقیدے سے ہے۔ اسلامی تلمیحات سے مراد ایسے اشارے ہیں جو اسلامی عقائد یا تعلیمات کی طرف کیے جاتے ہیں۔ ان میں قرآنی آیات، احکامات، تعلیمات اور احادیث و قصصِ انبیا وغیرہ شامل ہیں۔ ان سب کی طرف مختصراً اشارہ کر کے کلام میں حسن و بلاغت کا عنصر پیدا کیا جاتا ہے۔ جیسے اگر یدِ بیضا کا لفظ کلام میں لایا جائے تو یہ قرآنی تلمیح ہے۔ ید ہاتھ کو کہتے ہیں اور بیضا یعنی روشن۔ اور قرآنِ مجید میں حضرتِ موسیٰ علیہ السلام سے متعلق یہ بات بیان کی گئی ہے کہ جب وہ اپنا ہاتھ بغل میں دبا کر دوبارا باہر نکالتے تو وہ ہاتھ چودھویں کے چاند کی مانند روشن ہوتا۔ اس طرح کی اور کئی تلمیحات ہمارے اردو ادب میں استعمال کی جاتی ہیں۔ جیسے موسیٰ و فرعون کا قصہ، طوفانِ نوح، قصہ ابراہیم و نمرود وغیرہ۔

قرآنی تلمیح:

قرآن کلام الٰہی ہے۔ اس میں انسان کی زندگی سے متعلق ایک کامل نظام شامل ہے۔ اس کے علاوہ انبیاکے واقعات اور گزشتہ اقوام کا احوال بیان کیا گیا ہے۔ یہ کلام حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عرصہ تیئیس برس میں وقتاً فوقتاً نازل ہوا ہے۔ قرآنی تلمیحات سے مراد وہ تلمیحات ہیں جن میں قرآنی آیات، آیات کے تراجم یا کسی قرآنی قصہ یا واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ جیسے اگر چاہِ یوسف کا لفظ استعمال کیا جائے تو یہ قرآنی تلمیح ہے۔ قرآنِ مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ مکمل تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ حضرت یوسف اپنے بھائیوں میں سے سب سے زیادہ حسین تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام باقی اولاد سے زیادہ حضرت یوسف علیہ السلام کو چاہتے تھے۔ یہ بات باقی بھائیوں کو کھٹکتی تھی۔ ایک دن انھوں نے موقع دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک کنویں میں پھینک دیا۔ اب محض ایک لفظ کے استعمال سے حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ اپنی مکمل جزئیات کے ساتھ ذہن میں آ جاتا ہے۔ اس طرح کی کئی مثالیں ہمارے نعتیہ ادب میں ملتی ہیں۔

احادیثی تلمیح:

حدیث، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال کو کہا جاتا ہے۔ محدثین نے حدیث کی تدوین و تالیف مکمل اسناد کے ساتھ کی ہے۔ اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینکڑوں اقوال و افعال کو محفوظ کر لیا گیا ہے۔ احادیثی تلمیح سے مراد وہ تلمیح ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی قول یا فعل کی طرف اشارہ کیا جائے یا کلام میں حدیثِ نبوی کا کوئی ٹکڑا یا ترجمہ شامل کیا جائے تو اسے ہم احادیثی تلمیح کا نام دیں گے۔ مثلاً اگر طائف کا ذکر کیا جائے تو وہ تمام واقعہ ذہن میں پھر جاتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف کے لوگوں کو دینِ حق کی تبلیغ کرنے گئے تو انھوں نے کیسے چھوٹے بچوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر برسانے کا کہا اور کیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے مبارک تک لہو سے سرخ ہو گئے۔ اب محض ایک لفظ کے استعمال سے ہمارے ذہن میں وہ مکمل واقعہ پھر گیا، جو احادیث کی کتاب میں اپنی مکمل جزئیات کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

- ## تاریخی تلمیح:

تاریخ انسان کے ماضی کو کہا جاتا ہے۔ دراصل تاریخ ماضی کے واقعات و حوادث کا مجموعہ ہے۔ انسان

ہمیشہ اپنے ماضی کو تلاشنے کی سعی میں رہتا ہے۔ وہ جتنا بھی آگے بڑھ جائے لیکن اس کا دماغ ہمیشہ اس تجسس کا شکار رہتا ہے کہ ماضی میں کیا کچھ اور کیوں کر ہوا۔ اس لیے وہ اپنی تاریخ سے ہمیشہ جڑا رہنا چاہتا ہے۔ اسی لیے تاریخی تلمیحات کا ادب میں استعمال زیادہ ہے۔ تاریخی تلمیحات سے مراد وہ تلمیحات ہوں گی، جن میں کسی اہم تاریخی واقعہ، تحریک یا شخصیت کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔ جیسے کلام میں لفظ "دارا" لایا جائے تو اس سے دماغ ایران کے عظیم الشان اور صاحبِ شوکت و ثروت بادشاہ دارا کی طرف جاتا ہے۔ کہ جو اپنے عہد میں دنیا کا طاقت ور ترین بادشاہ تھا۔ اور جس کی سلطنت دنیا کی عظیم الشان سلطنت تھی۔

- **علمی واصطلاحی تلمیحات:**

علم کے معنی جاننے کے ہیں اور اصطلاح اس لفظ کو کہتے ہیں جو اہلِ فن یا کسی علم کے ماہر کسی خاص معنی کے لیے انتخاب کر لیں۔ علمی و اصطلاحی تلمیحات سے مراد ایسی تلمیحات ہیں جن میں کسی علمی مسئلہ، بات یا کسی اصطلاح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مضمون میں وسعت پیدا کی جائے۔ یعنی علمی و اصطلاحی تلمیحات میں ہم علم کی کسی خاص شاخ یا کسی خاص اصطلاح کے استعمال سے شعر کی معنوی وسعتوں میں اضافہ کرتے ہیں۔ تاریخ کی کسی اہم علمی شخصیت یا کسی شخصیت کے علمی کارناموں کی طرف اشارات بھی علمی و اصطلاحی تلمیحات میں شمار کیے جاتے ہیں۔ جیسے: کارل مارکس کا معیشت کا نظریہ۔ اگر کلام میں اس نظریے یا کارل مارکس کی طرف اشارہ کیا جائے تو اسے علمی تلمیح شمار کیا جائے گا۔

فنی اقسام:

- **تشبیہاتی تلمیح:**

تشبیہ کے معنی مماثلت کے ہیں۔ علم بیان کی اصطلاح میں اس سے مراد کسی ایک شے کو مشترک خوبی کی بنا پر کسی دوسری شے کے مثل قرار دینا ہے۔ یعنی کوئی چیز اپنی کسی خاص خصوصیت کی بنیاد پر کسی دوسری چیز کے مثل قرار دی جاتی ہے۔ تشبیہاتی تلمیح سے مراد وہ تلمیح ہے جسے کلام میں استعمال کرتے وقت علمِ بیان کی صنعتِ تشبیہ کو جمع کیا جائے۔ یا پھر تلمیح کو بطور تشبیہ یا تشبیہ کو بطور تلمیح استعمال کیا جائے۔ تلمیح اور تشبیہ جب آپس میں ملتے ہیں تو کلام کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں۔ تلمیحات کو تشبیہ کی صورت میں کم ہی برتا جاتا ہے لیکن جب یہ دونوں چیزیں یک جا ہوتی ہیں تو کلام بلاغت کی معراج پر پہنچ جاتا ہے۔

- **استعاراتی تلمیح:**

استعارہ کا لغوی معنی ادھار لینا ہے۔ استعارہ میں کسی شے کا نام کسی خاص خوبی کی بنا پر ادھار لیا جاتا ہے۔ اصطلاح میں استعارہ سے مراد کسی ایک شے کو بعینہ دوسری شے قرار دینا ہے۔ استعارہ میں دوسری شے کے لوازم کا پہلی شے سے انسلاک کر دیا جاتا ہے۔ یہ بیان کی ایک قسم ہے، اس میں لفظ کو معنوی مناسبت کی بنا پر دوسری شے کی جگہ برتا جاتا ہے۔ استعاراتی تلمیح سے مراد وہ تلمیح ہے جسے کلام میں استعمال کرتے ہوئے استعارہ کو جمع کیا جائے یا پھر تلمیح کو بطور استعارہ استعمال کیا جائے۔ تلمیح اکثر و بیشتر استعارہ کی صورت میں ہی جلوہ فگن ہو کر کلام کو حسن و زیبائش اور بلاغت سے مزین کرتی ہے۔ اس لیے بیان کی اقسام میں سے تلمیح کے باب میں استعارہ سب سے زیادہ اہم ہے۔

- **تلمیحِ کنایہ:**

کنایہ کے معنی رمز کے ہیں۔ کنایہ علامت یا پوشیدہ بات کو بھی کہتے ہیں۔ تلمیح جب بیان کی اس قسم یعنی کنایہ سے ملتی ہے تو کلام کو خوب صورتی اور حسنِ بلاغت سے مزین کرتی ہے۔ تلمیحِ کنایہ سے مراد کلام میں کسی خاص چیز کی طرف اشارہ اس انداز سے کیا جائے کہ لفظ اپنے حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہو رہا ہو۔ تلمیح اکثر و بیشتر استعارہ یا پھر کنایہ کی صورت میں ہی جلوہ گر ہوتی ہے۔ در حقیقت استعارہ اور کنایہ ہی تلمیح کا اصل حسن ہیں۔ یہ کلام کو بلاغت کے ساتھ حسن و زیبائش سے بھی مزین کرتے ہیں۔

۴۔ منتخب شعرا کا اجمالی تعارف :

ریاض مجید:

ڈاکٹر ریاض مجید کا تعلق ایک دینی گھرانے سے ہے۔ آپ کے آبا و اجداد کا تعلق دہلی کے ایک علمی و دینی گھرانے سے تھا۔ ریاض مجید کی پیدائش ۱۲ ۔اکتوبر ۱۹۴۲ء کو جالندھر میں ہوئی۔ ریاض مجید کے والد عبد المجید نے دینی تعلیم حاصل کی۔ بعد میں اپنے والد شمس الدین کے کاروبار سے منسلک ہو گئے۔ ریاض مجید ابھی چھٹی جماعت میں تھے کہ آپ کے والد انتقال فرما گئے۔ آپ کی پرورش آپ کی والدہ نے کی، جو کہ خود ایک مذہبی خاتون تھیں۔ ریاض مجید نے ڈگلس پورہ کے ایک سکول سے تعلیمی سلسلے کا آغاز کیا۔ پانچوں جماعت سے مسلم ہائی سکول میں داخلہ لیا اور وہیں سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ایف۔ اے کی سند انھوں نے گورنمنٹ

کالج، فیصل آباد سے حاصل کی۔ بعد ازاں اسی ادارے سے اردو زبان میں تین سالہ آنرز کی ڈگری حاصل کی اور پنجاب یونیورسٹی، لاہور میں ایم۔اے اردو میں داخلہ لیا۔ یہاں انھیں ممتاز اردو لکھاریوں سے استفادہ کا موقع میسر آیا، جن میں ڈاکٹر سید عبداللہ، پروفیسر وقار عظیم، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر غلام حسن اور پروفیسر سجاد باقر رضوی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے ۱۹۷۵ء میں پنجاب یونیورسٹی، لاہور سے پی۔ایچ۔ڈی اردو کی ڈگری حاصل کی۔ آپ کا پی۔ایچ۔ڈی اردو کا مقالہ اردو زبان میں نعت گوئی کے حوالے سے تھا۔ آپ نے یہ مقالہ ڈاکٹر وحید قریشی کے زیرِ نگرانی لکھا۔ جو ۱۹۸۰ء میں مکمل ہوا۔ ڈاکٹر ریاض مجید کی حیات اور شاعری پر ۲۰۲۱ میں محقق ناصر آفریدی نے "ڈاکٹر ریاض مجید کی علمی و ادبی خدمات" کے موضوع پر مقالہ لکھ کر سرحد یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

ڈاکٹر ریاض مجید نے اپنی ملازمت کا آغاز بطور لیکچرار گورنمنٹ کالج، بوچھال کلاں (خوشاب) سے کیا۔ دو سال اس کالج میں گزارنے کے آپ نے گورنمنٹ کالج، جڑانوالہ میں تبادلہ کروالیا۔ اور کچھ ہی عرصے میں گورنمنٹ کالج، لائل پور میں پوسٹنگ ہوگئی۔ اور پھر ریٹائرمنٹ تک اسی ادارے سے وابستہ رہے۔

ڈاکٹر ریاض مجید کا شمار عہدِ رواں کے اردو زبان و ادب میں صفِ اول کے نعت گو شعرا و محققین میں کیا جاتا ہے۔ ان کا پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ پاکستان میں نعتیہ ادب کے حوالے سے لکھا جانے والا پہلا مقالہ ہے۔ ریاض مجید نے اپنا شعری سفر کالج کے زمانے میں آغاز کیا۔ ابتدائی زمانے میں شاعری کے کئی مقابلہ جات میں نمایاں پوزیشنیں حاصل کیں۔ انھوں نے نعت نگاری اور تحقیق میں گراں قدر کام کیا۔ کچھ دوستوں کی مدد سے ایک اشاعتی ادارہ بھی کام کیا۔ اور نعت اکادمی، فیصل آباد کی ذمہ داری بھی اپنے سر لی۔ ریاض مجید کو ان کے پہلے اردو نعتیہ مجموعے "اللھم صلی علی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)" پر صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا۔

ریاض مجید نے اسلامی تہذیب و ثقافت کو نعتیہ شاعری میں بڑی مہارت اور خوب صورتی سے سمویا ہے۔ ان کی نعوت میں ایک خاص رعنائی اور دل کشی پائی جاتی ہے۔ عشقِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان کی آنکھیں نم ہیں۔ ان کی نعت دیگر نعت گو شعرا میں منفرد پہچان کی حامل ہے۔ نعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی نسبت عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ان کا نعتیہ کلام خیال کی پاکیزگی اور ندرت سے بھرپور ہے۔ ان کے نعتیہ مجموعے یہ ہیں: "حی علی الثنا (پنجابی نعتیہ ہائیکو)"، "اللھم صلی علی محمدؐ"، "سیدنا محمدؐ"، "اللّٰھم بارک علی محمدؐ"، "سیدنا رحیمؐ" اور "سیدنا کریمؐ"۔ ان میں سے زیرِ تحقیق مقالہ میں وہی دو نعتیہ مجموعے شامل کیے گئے ہیں جو ماضی قریب میں اشاعت پذیر ہوئے۔

عزیز احسن:

عزیز احسن کا تعلق پٹھانوں کے ایک قبیلے "یوسف زئی" سے ہے۔ آپ کے اسلاف میں سے گھمنڈ خان نے سولہویں صدی میں افغانستان سے مردان ہجرت کی۔ وہاں سے صوبہ راجستھان میں منتقل ہوئے۔ گھمنڈ خان خاندان کی کم و بیش تین نسلیں راجستھان میں آباد رہیں۔ گھمنڈ خان کے خاندان میں امیر خان فکرِ معاش میں راجستھان سے جے پور منتقل ہوئے۔ جے پور میں ہندو مہاراجہ کی حکمرانی تھی۔ امیر خان نے پولیس کے محکمہ میں ملازمت اختیار کی۔ امیر خان کے بڑے فرزند عبد الحمید خان کے ہاں ہندوستان کی تقسیم کے چند روز بعد ۳۱ ۔اگست ۱۹۴۷ء کو بیٹے کی ولادت ہوئی۔ جس کا نام عبد العزیز خان رکھا گیا۔ انھوں نے بعد میں عزیز احسن کے قلمی نام سے شہرت پائی۔ عزیز احسن کے والدین مئی ۱۹۴۸ء میں پاکستان آ گئے اور کراچی میں رہائش پذیر ہوئے۔

عزیز احسن نے لیاقت آباد، کراچی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ فیڈرل اسکول، ناظم آباد سے ۱۹۶۶ء میں میٹرک کی سند حاصل کی۔ ۱۹۷۰ء میں بی۔کام مکمل کیا۔ ۱۹۷۲ء میں فاضل اردو اور ۱۹۷۴ء میں فاضل فارسی کی اسناد پائیں۔ گورنمنٹ اسلامیہ لا کالج، کراچی سے ۱۹۷۸ء میں ایل۔ایل۔بی کی سند پائی۔ ۱۹۸۵ء میں کراچی یونیورسٹی سے ایم۔اے تاریخ اسلام اور ۲۰۰۸ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد سے "رموزِ بیخودی کا فنی و فکری جائزہ" کے عنوان سے مقالہ لکھ کر ایم فل کی سند حاصل کی۔ ۲۰۱۲ء میں جامعہ کراچی سے "اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ" کے عنوان سے مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی۔ ۲۰۱۳ء میں "نعت ریسرچ سینٹر" نے اس مقالے کو کتابی شکل میں شائع کیا۔

عزیز احسن نے ۱۹۷۸ء میں "ایسٹ پاکستان انشورنس سوسائٹی" سے ملازمت کا آغاز کیا۔ ۱۹۸۱ء میں "آئل اینڈ گیس ڈویلپمنٹ کمپنی لمیٹڈ، اسلام آباد" میں ملازمت شروع کی۔ یہاں سے ڈپٹی چیف انٹرنل آڈیٹر کے طور پر ۲۰۰۹ء میں سبک دوش ہوئے۔ پاکستان ریڈیو، کراچی سے ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۴ء تک لاتعداد کتب پر تبصرے نشر کئے اور عہدِ حاضر میں "کیو ٹی وی، پاکستان" اور دیگر ٹیلی ویژن چینلز پر نعتیہ ادب کے حوالے سے بے شمار پروگراموں میں ناقد و مبصر کی حیثیت سے شریک ہوتے ہیں۔ جن میں "کیو ٹی وی" کا پروگرام "خوشبوئے حسان" سرِ فہرست ہے۔ ڈاکٹر عزیز احسن مستقل طور پر دامنِ نعت میں پناہ گزیں ہوئے اور اردو کے نعتیہ ادب کے لیے قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔

عصرِ رواں میں اردو نعتیہ ادب کی تنقید کے حوالے سے ڈاکٹر عزیز احسن کا کام بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ۱۹۹۸ء میں نعتیہ تنقید کے حوالے سے آپ کی پہلی تصنیف "اردو نعت اور جدید اسالیب" کے عنوان سے منظرِ عام پر آئی۔ اس کے بعد ۲۰۰۳ء میں "نعت کی تخلیقی سچائیاں" کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی، جس نے جدید نعت گو شعرا کو خاصی راہنمائی فراہم کی۔ ۲۰۰۷ء میں ایک اور تنقیدی شہکار "ہنر نازک ہے" کے عنوان سے شائع ہوا۔ ۲۰۱۰ء میں "نعت کے تنقیدی آفاق" کے عنوان سے نعتیہ تنقیدی ادب کے حوالے سے بہت اہم کتاب تصنیف کی۔ ۲۰۱۳ ء میں اردو کی نعتیہ تنقید پر آپ کا مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ڈی بہ عنوان "اردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ" نعت ریسرچ سنٹر نے شائع کیا۔ ۲۰۱۴ء میں نعت ریسرچ سنٹر، کراچی نے آپ کی دو تنقیدی کتب "پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر "اور "تعلق بالرسول کے تقاضے اور ہم" شائع کیں۔ "نعتیہ ادب کے تنقیدی زاویے" ۲۰۱۵ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ ۲۰۱۸ء میں "حمد و نعت کے معنیاتی زاویے" اور ۲۰۱۹ء میں "نعتیہ شاعری کے شرعی تقاضے" کے عنوان سے دو اہم کتب شائع ہوئیں۔ ۲۰۲۰ء میں "حمدیہ شاعری کی متنی وسعتیں" کے نام سے ایک اور شہکار منظرِ عام پر آیا۔

ڈاکٹر عزیز احسن نقاد کے ساتھ ساتھ دورِ حاضر کے بہترین نعت گو شعرا میں بھی شمار ہوتے ہیں۔ آپ نعت و غزل ہر دو اصناف میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ اور ایک پختہ کار شاعر کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ ۲۰۰۰ء میں آپ کا اولین شعری مجموعہ "تیرے ہی خواب میں رہنا" کے عنوان سے زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ نعتیہ مجموعہ "کرم و نجات کا سلسلہ" ۲۰۰۵ء میں "نعت ریسرچ سینٹر کراچی" نے شائع کیا۔ "نعت ریسرچ سنٹر، کراچی" نے ہی ۲۰۰۹ء میں "شہپرِ توفیق" اور ۲۰۱۲ء میں "امیدِ طیبہ رسی" شائع کیے۔

"ادبستانِ انصاد، کراچی" نے ڈاکٹر عزیز احسن کی ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر ۲۰۱۴ء میں انھیں "اعترافِ خدمات ایوارڈ، برائے شعبہ تحقیق (بیادِ شاہ انصار الہ آبادی)" سے نوازا۔ "مولانا جلال الدین رومی کانفرنس" نے بھی ۲۰۱۴ء میں آپ کو "ایوارڈ برائے حسنِ خدمات" سے نوازا۔ ۲۰۱۶ء میں "نعت ریسرچ سینٹر، برطانیہ" نے آپ کو "بہترین نقاد ایوارڈ" دیا۔

صبیح الدین رحمانی:

سید صبیح الدین رحمانی پاکستان کے معروف نعت خواں، نعت گو شاعر اور نعتیہ ادب کے محقق و نقاد ہیں۔ صبیح رحمانی نعتیہ ادب کے تحقیقی، تنقیدی اور علمی جریدہ "نعت رنگ" کے مدیر اور نعت کی تحقیق کے لیے قائم کیے گئے ادارے "نعت ریسرچ سینٹر "کے بانی اور سیکریٹری جنرل ہیں۔ شعبۂ نعت میں آپ کی

خدمات کے صلہ میں حکومت پاکستان نے آپ کو تمغہ امتیاز سے نوازا۔ آپ نے شاعری میں حافظ مستقیم، فدا خالدی دہلوی اور شاہ انصار الہ آبادی سے اصلاح لی۔

صبیح رحمانی کے اسلاف کا علاقہ حیدر آباد دکن کے سادات گھرانے سے ملتا ہے۔ آپ کے دادا کا نام سید مقبول علی شاہ اور پر دادا سید مجذوب علی شاہ تھے۔ آپ کے والد سید اسحاق الدین جب کراچی آئے تو کچھ ہی عرصہ کے بعد کراچی یونیورسٹی میں ملازمت اختیار کی اور اسسٹنٹ کنٹرولر امتحانات کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

صبیح الدین رحمانی ۲۷ ۔جون ۱۹۶۵ء کو فردوس کالونی، گل بہار کراچی میں سید اسحاق الدین کے گھر میں پیدا ہوئے۔ آپ کا قلمی نام صبیح رحمانی اور تخلص صبیح ہے۔ حسن پرائمری سکول، فردوس کالونی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۸۳ء میں فیڈرل گورنمنٹ سکول، ناظم آباد چورنگی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۸۵ء میں گورنمنٹ اسلامیہ کالج کراچی سے ایف اے اور ۱۹۸۷ء میں کراچی یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۹۸ء میں جامعہ کراچی سے ایم اے اردو کی ڈگری حاصل کی۔

صبیح رحمانی نے "پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن کمپنی لمیٹڈ" میں بہ حیثیت ٹیلی فون آپریٹر ملازمت کا آغاز کیا۔ ۱۸ برس اس ادارے سے وابستہ رہنے کے بعد ملازمت کو خیر باد کہا اور ایک نجی ٹی وی چینل "اے۔آر۔وائی" سے بطور ریسرچ ڈائریکٹر وابستہ ہو گئے۔ یہیں بطور سینئر پروڈیوسر بھی خدمات سرانجام دیں۔ اس شعبے میں صبیح رحمانی نے اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے اور ایک ماہر و تجربہ کار پروڈیوسر کی حیثیت سے شناخت بنائی۔ اسی چینل میں ترقی کرتے ہوئے ڈائریکٹر پروگرامز اینڈ پلاننگ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ بعد ازاں ایک نجی ایئر لائن "شاہین ایئر" میں بحیثیت ڈائریکٹر حج ملازمت اختیار کی اور ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے کنٹری ہیڈ سعودی عرب کے منصب پر فائز ہوئے۔

صبیح رحمانی کو بچپن ہی سے نعت کا شوق تھا۔ آپ کے کردار کا سب سے نمایاں پہلو عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ محبت و عقیدت حرف حرف سے ظاہر ہوتی ہے۔ آپ جدید نعت گو شاعروں کے اس قافلے کا حصہ ہیں جس کا تخیل، فکر اور جذبہ و خیال انفراد کے حامل ہیں۔ نعتیہ ادبیات کے حوالے سے آپ کی ہر کوشش وسعتِ مطالعہ اور فکری و فنی ریاضت کا ثبوت ہے۔ نعت سے شغف کا بنیادی سبب گھریلو ماحول اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جذبہ اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گہرا لگاؤ ہے۔ صبیح رحمانی نے ۱۹۷۳ء میں نعت خوانی کا آغاز کیا، اس وقت

آپ پرائمری سکول کے طالب علم تھے۔ اسی زمانے میں سکول اور دیگر محافل میں نعت خوانی کے مقابلوں میں ان کی شرکت ہوئی۔ ۸۴-۱۹۸۳ء میں آپ کو "ریڈیو پاکستان" کے نعتیہ پروگراموں میں شرکت کا موقع ملا۔ یہاں گلوکار مہدی ظہیر نے صبیح رحمانی کی صلاحیتوں کا اندازہ لگاتے ہوئے ان کو مشوروں اور سرپرستی سے نوازا۔ اسی زمانے میں آپ کا نعت خوانی کا ذوق تخلیقِ نعت میں تبدیل ہوا۔

۱۹۹۱ء میں شیخ محمد الٰہی نے "ایس۔ ٹی۔ این" پرائیویٹ ٹی وی چینل پر ایک نعتیہ مشاعرے کا اہتمام کیا، جس میں صبیح رحمانی بطور نعت گو اور نعت خواں شریک ہوئے۔ اس مشاعرے میں آپ نے اپنا نعتیہ کلام مترنم آواز میں پڑھا۔ اس مشاعرے میں پڑھی جانے والی نعت بہت مشہور و مقبول ہوئی۔

"کوئی مثل مصطفیٰ کا کبھی تھا، نہ ہے، نہ ہو گا
کسی اور کا یہ رتبہ کبھی تھا، نہ ہے، نہ ہو گا"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص۱۹۷)

اس کامیاب نعتیہ مشاعرے کے بعد اسی ٹی وی چینل نے صبیح رحمانی کو اپنے اسٹوڈیو میں آنے کی دعوت دی اور آپ کی مشہور چار نعوت آپ ہی کی آواز میں نشر ہوئیں۔ یوں صبیح رحمانی کا نعتیہ کلام مقبولِ عام حاصل کرنے لگا اور آپ مختلف ٹی وی چینلز کی نشریات میں باقاعدہ شرکت کرنے لگے۔

صبیح رحمانی نے معاصرین شعرا کے ساتھ ساتھ کلاسیکی ادب سے بھی فیض حاصل کیا۔ معاصرین شعرا میں حافظ مظہر الدین، حفیظ تائب اور ریاض مجید شامل ہیں اور کلاسیکل شعرا میں محمد محسن کاکوروی وہ شاعر ہیں جن کی تخلیقی حسیت صبیح رحمانی کی شاعری میں جلوہ گر نظر آتی ہے۔ نعت کو ادب میں بطور موضوع متعارف کروانے والے شعرا کی صف میں صبیح رحمانی کا نام بھی شامل ہے، جو ادبی خلوص و عقیدت، شاعرانہ سچائی اور تخلیقی لطافت سے سرشار، شب و روز خدمتِ نعت میں مصروف ہیں۔

آپ کے نعتیہ مجموعے یہ ہیں: "ماہِ طیبہ"، " جادۂ رحمت"، " خوابوں میں سنہری جالی ہے" اور "کلیاتِ صبیح رحمانی"۔

صبیح الدین رحمانی کو آپ کی گراں قدر خدمات کے اعتراف کے طور پر کئی سرکاری و غیر سرکاری اعزازات سے نوازا گیا۔ ان میں " کریسنٹ یوتھ ادبی ایوارڈ"، "نظامی نعت ایوارڈ"، "المصطفیٰ سیرت کمیٹی ایورڈ" ، "نعت ایوارڈ، انوارِ ادب حیدرآباد" ، " یادگاری شیلڈ، وزارت مذہبی امور، پاکستان ۲۰۱۳ء" اور " تمغہ امتیاز، ۲۰۱۹ء، حکومت پاکستان" اہم ہیں۔

مقصود علی شاہ:

مقصود علی شاہ پنجاب کے ضلع میانوالی کے گیلانی سادات گھرانے میں ۲۳ ۔مارچ ۱۹۶۷ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اسلاف بغداد سے ہجرت کر کے سولہویں صدی عیسوی میں یہاں آکر آباد ہوئے۔ اس وقت اس علاقہ میں گکھڑوں کی حکمرانی تھی۔ سادات کی آمد سے علاقہ کے لوگ دائرۂ اسلام میں آنے لگے اور پھر انھیں سادات کے نام پر اس علاقے کا نام بھی میانوالی پڑ گیا۔ بغداد سے آنے والے ان گیلانی سادات کو اس علاقہ میں آج بھی " میاں" پکارا جاتا ہے۔ شجرہ نسب ۳۴ واسطوں سے شیخ عبد القادر جیلانی اور ۴۶ واسطوں سے حضرت علیؑ سے ملتا ہے۔

مقصود علی شاہ کی ابتدائی تعلیم اپنے شہر میانوالی میں ہی ہوئی۔ ۱۹۸۱ء میں دنیائے اسلام کی ممتاز دینی و فکری درس گاہ "دار لعلوم محمدیہ غوثیہ" بھیرہ شریف میں داخلہ لیا۔ اس دورانیے میں پیر محمد کرم شاہ الازھری کی بیعت سے مستفید ہوئے۔ ۱۹۹۱ء میں اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد سے "شریعہ اینڈ لاء" کی سند حاصل کی۔ ایم۔اے عربی اور ایم۔او۔ایل عربی و اردو کی تکمیل کی۔

۱۹۹۱ء میں پیشہ ورانہ زندگی عملی صحافت سے شروع کی۔ ملک کے بہترین اخبارات میں نیوز ایڈیٹر کے طور پر کام کیا۔ ۲۰۰۵ء میں انگلینڈ کے شہر نوٹنگھم میں بطور مینیجر ایک ریڈیو جوائن کیا اور اب "تکبیر ٹی وی چینل" برمنگھم سے جڑے ہیں اور ایک نعتیہ پروگرام کے پروڈیوسر اور ہوسٹ ہیں۔

مقصود علی شاہ کو بچپن ہی سے شعر گوئی سے رغبت تھی۔ ۲۰۱۹ء میں آپ کا اولین گلدستہ نعت "مطافِ حرف" کے عنوان سے زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ جسے نعتیہ ادبی حلقوں میں خاصی پذیرائی نصیب ہوئی۔ ۲۰۲۰ء میں "قبلہ مقال" کے عنوان سے دوسرا نعتیہ گلدستہ منظرِ عام پر آیا۔ تیسرا نعتیہ مجموعہ "احرام ِ ثناء" کے عنوان سے ۲۰۲۱ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ ۲۰۲۲ء میں اسمائے النبی شریف کی ردائف میں نعتیہ مجموعہ "میزابِ عطا" کے نام سے شائع ہوا۔

حکومتِ پاکستان نے مقصود علی شاہ کے نعتیہ دیوان "احرامِ ثنا" کو "قومی سیرت ایوارڈ ۲۰۲۲ء" (پہلی پوزیشن) سے نوازا۔ قبل ازیں ان کے مجموعۂ نعت "قبلۂ مقال" کو بھی گزشتہ سال "قومی سیرت ایوارڈ ۲۰۲۱ء" (پہلی پوزیشن) اور پیوستہ سال "صوبائی سیرت ایوارڈ ۲۰۱۹ء" (پہلی پوزیشن) سے نوازا گیا۔

مقصود علی شاہ نے اپنی منفرد لفظیات اور ترکیب سازی کی بنا پر بہت کم عرصے میں دنیائے ادب میں اپنے فن کا لوہا منوایا ہے۔ ان کی جدید لفظیات انھیں معاصر نعت گو شعرا میں منفرد و ممتاز کرتی ہے۔

شاکر القادری:

شاکر القادری کا تعلق صوبہ پنجاب کے ضلع اٹک سے ہے۔ آپ کا اسمِ گرامی سید ابرار حسین گیلانی ہے۔ دنیائے ادب میں شاکر القادری کے قلمی نام سے جانے جاتے ہیں اور شاکر تخلص کرتے ہیں۔

آپ کی ولادت ۱۹۶۰ء میں اٹک کے ایک گھرانے گیلانی سادات میں ہوئی۔ آپ کے والد سید محمد سلیمان شاہ گیلانی منشی فاضل اور ادیب فاضل تھے۔ خطاطی، مصوری، نقاشی اور آئنہ سازی ان کی معاش کا ذریعہ تھا۔ بعد میں تارک الدنیا ہوگئے اور ریاضت وعبادت میں مشغول ہوگئے۔ ان کا تعلق تصوف کے سلسلہ چشتیہ سے تھا اور عمر بھر تبلیغ کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ شاکر القادری کی ابتدائی تعلیم اپنے شہر اٹک میں ہی ہوئی۔ "علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد" سے لائبریری سائنس میں گریجویشن کرنے کے بعد ضلع کونسل، اٹک میں بہ طور کتاب دار ۳۴ برس تک ملازمت کی۔ شوقِ خطاطی شاکر القادری کو میراث میں ملا اور آپ نے اسے عصری تقاضوں سے جوڑتے ہوئے "اردو ٹائپو گرافی" اور "فونٹ سازی" میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ جس پر آپ کو "اکادمی ادبیات، اسلام آباد" اور "اردو ویب" نے اعزاز سے نوازا۔ آپ نے مختلف سافٹ ویئرز کو مقامیانے اور اردو زبان میں ان کا ترجمہ کرنے میں بھی اہم کام کیا۔

شاکر القادری اردو، فارسی اور پشتو زبان پر خاصا عبور رکھتے ہیں۔ زبانِ اردو اور فارسی میں شاعری بھی کرتے ہیں۔ شاکر القادری اپنے والد کے ہاتھ بیعت ہو کر سلسلہ چشتیہ نظامیہ سے منسلک ہوئے۔ اور ان کی خلافت کا منصب حاصل کیا۔ شاکر القادری کی علمی، دینی اور ادبی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اردو کے نعتیہ ادب کے حوالے سے شاکر القادری کی خدمات گراں قدر ہیں۔ آپ نے "فروغِ نعت" کو زندگی کا مشن بنایا۔ آپ کا شمار استاد نعت گو شعرا، ناقدین اور محققین میں ہوتا ہے۔ ۲۰۱۶ء میں آپ کا نعتیہ مجموعہ "چراغ" شائع ہوا۔ جسے ادبی حلقوں میں خاصی پذیرائی نصیب ہوئی اور وزارتِ مذہبی امور، حکومتِ پاکستان نے ۲۰۱۷ء میں آپ کو اس مجموعہ کلام پر صدارتی ایواڈ سے نوازا۔

شاکر القادری کی دیگر تصانیف کی فہرست ذیل میں درج کی جارہی ہے:

i. "مبادیات اسلام" (دس سال کی عمر تک کے بچوں کے لیے اسلامی نصاب سوالاً جواباً)
ii. "عکس رخ یار: رباعیاتِ عمر خیام کا منظوم اردو ترجمہ"

iii. "جوامع الکلم : (چالیس احادیث نبوی کے فارسی منظوم ترجمہ پر مبنی ایک خطی نسخہ کی تدوین۔ اور اردو منظوم ترجمہ مع تخریج احادیث وراویان حدیث کے مختصر حالات")

iv. "تحریر الشہادتین : (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے عربی رسالہ "سر الشہادتین" کی فارسی شرح "تحریر الشہادتین" از مولانا سلامت اللہ کانپوری کا اردو ترجمہ، تبویب، تخریج اور تحشیہ)"

v. "چشمہء فیض: (سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ کا منظوم اردو شجرہ")

vi. "برق بیتاب : (ڈاکٹر غلام جیلانی برق کا کلام، مقدمہ ترتیب و تدوین")

شاکر القادری مستقل طور پر نعتیہ ادب سے وابستہ ہیں۔ عرصہ دراز سے سہ ماہی رسالہ "فروغِ نعت" کے مدیر ہیں۔ اس کے ساتھ ماہنامہ "ن و القلم" بھی جاری کیا۔ ان کے علاوہ نعتیہ ادب کے سب سے اہم سوشل میڈیا گروپ "نعت کائنات" سے مستقل طور پر وابستہ ہیں۔

دلاور علی آزر:

دلاور علی آزر کا اصل نام دلاور بشیر ہے۔ دنیائے ادب آپ کو دلاور علی آزر کے قلمی نام سے جانتی ہے۔ آپ کی پیدائش ۲۱ ۔ ستمبر ۱۹۸۴ کو حسن ابدال، ضلع اٹک کے محلے سخی نگر میں ہوئی۔ آپ کے والدِ گرامی بشیر احمد کا تعلق خانیوال سے ہے۔ دلاور علی آزر نے ابتدائی تعلیم حسن ابدال ہی سے حاصل کی۔ انٹر کے بعد پاکستان ائیر فورس جوائن کر لی اور اب تک اسی شعبہ سے وابستہ ہیں۔

دلاور علی آزر کا اولین غزلیہ مجموعہ کلام ۲۰۱۳ء میں "پانی" کے عنوان سے شائع ہوا۔ یہ مجموعہ جدید اردو غزل کے باب میں ایک قیمتی اضافہ ثابت ہوا۔ ناقدینِ ادب کے مطابق گزشتہ تین دہائیوں میں کوئی نوجوان تخلیق کار اِتنا مضبوط اور مکمل مجموعہ کلام تخلیق کرنے میں کام یاب نہ ہو سکا۔ ۲۰۱۶ء میں دلاور علی آزر کا دوسرا مجموعہ "مآخذ" زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ جسے اولین مجموعہ سے زیادہ پذیرائی نصیب ہوئی۔ سینئر شعرا اور سکّہ بند ناقدینِ ادب نے اسے دلاور کے دوسرے کی بجائے دسویں قدم سے عبارت کیا۔ بھارت سے "ادارہ تفہیم" نے دلاور علی آزر کی غزلیات کا انتخاب "سات دریاؤں کا پانی" کے عنوان سے شائع کیا۔ جس میں آپ کی ۱۰۱ غزلیات شامل کی گئیں۔ اس کے مرتبین عمر فرحت، لیاقت جعفری اور ڈاکٹر احمد سلیم ہیں۔ "تمثال گر" کے عنوان سے دلاور علی آزر کی غزلیات کا انتخاب "آواز پبلیکیشنز، پاکستان" نے شائع کیا۔ اسے محمد اورنگ زیب اور اسامہ امیر نے مرتب کیا۔ انڈیا کے ادارے "مائی بک" نے دلاور علی آزر کی غزلوں کا

انتخاب "آنکھوں میں رات کٹ گئی" کے عنوان سے شائع کیا۔ اس انتخاب میں دلاور علی آزر کی ۱۲۵ غزلیں شامل ہیں۔ یہ انتخاب معہ فرہنگ بیک وقت اُردو اور دیوناگری رسم الخط میں شائع کیا گیا۔ اُس کے بعد دلاور علی آزر کی تیسری کتاب "نقش" منظرِ عام پر آئی۔ جو ان کی تخلیق کردہ بہتر بے مثال نعوت پر مشتمل ہے۔ ۲۰۲۰ء میں آپ کا ایک اور نعتیہ مجموعہ "سیدی" کے نام سے شائع ہوا۔

پاکستان کی مختلف جامعات سے دلاور علی آزر کی شاعری پر تحقیقی مقالہ جات بھی لکھے گئے ہیں، جن کی فہرست ذیل میں درج ہے:

i. "پانی از دلاور علی آزر کا تجزیاتی مطالعہ" (مقالہ برائے ایم۔اے اردو)، مقالہ نگار: عائشہ رشید، گورنمنٹ صادق ایجرٹن کالج، بہاول پور
ii. "دلاور علی آزر کی شاعری: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ"، مقالہ نگار: محفوظ احمد ثاقب، یونیورسٹی آف لاہور، پاکپتن کیمپس
iii. "ماٰخذ مجموعہ کلام دلاور علی آزر کا تحقیقی و توضیحی جائزہ"، مقالہ نگار: شاہد اقبال، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد

دلاور علی آزر کی ادبی خدمات پر انھیں کئی اعزازات سے نوازا گیا ہے۔ جن میں "لفظ ادبی ایوارڈ" ۲۰۱۳ء اور "بابا گرونانک جی ادبی ایوارڈ" ۲۰۱۶ء نمایاں ہیں۔ دلاور علی آزر عصرِ جدید کے نمائندہ شاعر ہیں۔ جدید سخن وروں کی فہرست دلاور علی آزر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔

حوالہ جات

۱. https://thefatwa.com/urdu/questionID/2582/%DA%A9%DB%8C%D8%A7-%D9%86%D8%B9%D8%AA-%D8%AE%D9%88%D8%A7%D9%86%DB%8C-%D9%82%D8%B1%D8%A2%D9%86-%D9%85%D8%AC%DB%8C%D8%AF-%D8%B3%DB%92-%D8%AB%D8%A7%D8%A8%D8%AA-%DB%81%DB%92/،۲۱۔نومبر ۲۰۲۲،دن ا بجے

۲. http://udb.gov.pk/result.php?search=%D9%86%D8%B9%D8%AA، ۲۱۔ نومبر ۲۰۲۲،دن دو بجے

۳. عبدالحفیظ،مولانا،مصباح اللغات،مکتبہ قدوسیہ،جولائی۱۹۹۹ء،ص ۸۵۰۔

۴. احمد دہلوی، سید، فرہنگِ آصفیہ، جلد سوم، چوتھا ایڈیشن، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی، ۱۹۹۸ء،ص ۲۳۳۵۔

۵. فرمان فتح پوری،اردو کی نعتیہ شاعری،حلقہ نیاز و نگار،لاہور،۱۹۷۴،ص ۲۱۔

۶. http://naatkainaat.org/index.php/%D9%86%D8%B9%D8%AA_%DA%AF%D9%88%D8%A6%DB%8C_%DA%A9%D8%A7_%D8%AA%D8%A7%D8%B1%DB%8C%D8%AE%DB%8C_%D9%88_%D8%AA%D9%86%D9%82%DB%8C%D8%AF%DB%8C_%D8%AA%D8%AC%D8%B2%DB%8C%DB%81_%DB%94_%D8%B4%D8%A7%DB%81%D8%AF_%DA%A9%D9%85%D8%A7%D9%84%D8%8C_%D9%84%DA%A9%DA%BE%D9%86%D9%88،۲۱۔نومبر ۲۰۲۲،دن ۲:۲۰ بجے

۷. http://naatkainaat.org/index.php/%D9%86%D8%B9%D8%AA_%DA%AF%D9%88%D8%A6%DB%8C_%DA%A9%D8%A7_%D8%AA%D8%A7%D8%B1%DB%8C%D8%AE%DB%8C_%D9%88_%D8%AA%D9%86%D9%82%DB%8C%D8%AF%DB%8C_%D8%AA%D8%AC%D8%B2%DB%8C%DB%81_%DB%94_%D8%B4%D8%A7%DB%81%D8%AF_%DA%A9%D9%85%D8%A7%D9%84%D9%84

%D8%8C_%D9%84%DA%A9%DA%BE%D9%86%D9%88%، ۲۲۔ نومبر ۲۰۲۲،شام ۴ بجے

۸. Android App, Islam360،۲۲۔نومبر ۲۰۲۲،دن ا بجے

۹. Android App, Islam360،۲۲۔نومبر ۲۰۲۲،دن ۱:۲۰بجے

۱۰. Android App, Islam360،۲۲۔نومبر ۲۰۲۲،دن ۱:۳۰بجے

۱۱. Android App, Islam360،۲۲۔نومبر ۲۰۲۲،دن ۱:۴۰بجے

۱۲. Android App, Islam360،۲۲۔نومبر ۲۰۲۲،دن ۱:۴۰بجے

۱۳. Android App, Islam360،۲۲۔نومبر ۲۰۲۲،دن ۳بجے

۱۴. Android App, Islam360, ،۲۲۔نومبر ۲۰۲۲،دن ۳:۳۰بجے

۱۵. Android App, Islam360،۲۲۔نومبر ۲۰۲۲،دن ۳:۵۰بجے

۱۶. Android App, Islam360،۲۲۔نومبر ۲۰۲۲،شام ۴ بجے

۱۷. http://www.urdulinks.com/urj/?p=1758،۲۲۔نومبر ۲۰۲۲،شام ٦بجے

۱۸. http://www.urdulinks.com/urj/?p=1758، ۲۲۔نومبر ۲۰۲۲،شام ٦بجے

۱۹. http://www.urdulinks.com/urj/?p=1758،۲۲۔نومبر ۲۰۲۲،رات ۹بجے

۲۰. http://naatkainaat.org/index.php/%D9%88_%D8%A7%D8%AD%D8%B3%D9%86_%D9%85%D9%86%DA%A9_%D9%84%D9%85_%D8%AA%D8%B1_%D9%82%D8%B7_%D8%B9%DB%8C%D9%86%DB%8C%D8%8C، ۲۳۔نومبر ۲۰۲۲،دن ۲بجے

۲۱. http://naatkainaat.org/index.php/%DA%A9%D8%B9%D8%A8_%D8%A8%D9%86_%D8%B2%DB%81%DB%8C%D8%B1،۲۳۔نومبر ۲۰۲۲،دن ۲بجے

۲۲. http://naatkainaat.org/index.php/%D9%82%D8%B5%DB%8C%D8%AF%DB%81_%D8%A8%D8%B1%D8%AF%DB%81_%D8%B4%D8%B1%DB%8C%D9%81_1،۲۳۔نومبر ۲۰۲۲،شام ۵بجے

۲۳. http://naatkainaat.org/index.php/%DB%81%D8%B2%D8%A7%D8%B1_%D8%A8%D8%A7%D8%B1_%D8%A8%D8%B4%D9%88%DB%8C%D9%85_%

D8%AF%DB%81%D9%86_%D8%A8%DB%81_%D9%85%D8%B4%DA%A9_%
D9%88_%DA%AF%D9%84%D8%A7%D8%A8،۲۴۔نومبر ۲۰۲۲،شام۸ بجے
۲۴. http://www.urdulinks.com/urj/?p=1758،۲۴۔نومبر ۲۰۲۲،شام ۸:۱۵ بجے
۲۵. http://www.urdulinks.com/urj/?p=1758،۲۴۔نومبر ۲۰۲۲،رات ۹ بجے
۲٦. فرمان فتح پوری، اردو کی نعتیہ شاعری، ص ۷۱
۲۷. http://udb.gov.pk/result.php?search=%D8%A8%D8%AF%DB%8C%D8%
B9،۲۴۔نومبر ۲۰۲۲ء،رات ۹:۲۰
۲۸. سحر بدایونی، مشمولہ البدیع، عابد علی عابد،، مجلسِ ترقی ادب لاہور، مارچ۔۱۹۸۵ء، ص ۳۵۔
۲۹. سجاد مرزا، مشمولہ البدیع، عابد علی عابد، ص ۳٦۔
۳۰. نجم الغنی، بحر الفصاحت، راجہ رام کمار بک ڈپو، لکھنو، ص ۸۹۲۔
۳۱. عابد علی عابد، البدیع، ص ۳٦۔
۳۲. ایضاً، ص ٦۹۔
۳۳. ایضاً، ص ۳۷۔
۳۴. ایضاً، ص ۴۴۔
۳۵. مصاحب علی صدیقی، اردو ادب میں تلمیحات، نظامی پریس، لکھنو، ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۱-۳۲۔
۳٦. نجم الغنی، بحر الفصاحت، ص ۱۱۱۳۔
۳۷. منشی دیبی پرساد، مشمولہ، اردو ادب میں تلمیحات، مصاحب علی صدیقی، ص ۳۱۔
۳۸. http://udb.gov.pk/result.php?search=%D8%AA%D9%84%D9%85%DB%
8C%D8%AD،۲۴۔نومبر ۲۰۲۲،رات ۱۰ بجے
۳۹. ثوبان سعید، فرہنگِ تلمیحات، نیو انڈیا آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی، سن ندارد، ص ۲۴۔
۴۰. آسبورن، مشمولہ، تلمیحات، وحید الدین سلیم، آکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، کراچی، ۲۰۱۹، ص ۴۔
۴۱. شمس قیس رازی، مشمولہ اردو ادب میں تلمیحات، مصاحب علی صدیقی، ص ۳۳۔
۴۲. محمود نیازی، تلمیحاتِ غالب، غالب اکیڈمی، نئی دہلی، جون ۱۹۷۲ء، ص ۳۳۔
۴۳. محمود نیازی، تلمیحاتِ غالب، ص ۱۱۔
۴۴. مصاحب علی صدیقی، اردو ادب میں تلمیحات، ص ۱۹۔

باب دوم:

منتخب شعر کے کلام میں تلمیحات کی موضوعاتی اقسام کا مطالعہ

ا۔ مذہبی تلمیحات:

مذہبی تلمیحات سے مراد ایسی تلمیحات ہیں جن کی بنیاد مذہبی عقائد، مذہبی تعلیمات یا قرآن و احادیث ہوں۔ چوں کہ ان کی بنیاد خالص مذہبی واقعات و حقائق اور مذہبی عقائد و تعلیمات پر ہے۔ اس لیے لازمی طور پر یہ بحث سامنے آئے گی کہ ان عقائد و نظریات، تعلیمات اور واقعات و حقائق کا مآخذ کیا ہیں۔ ان کی سند مستند ہو گی، جبھی یہ دعوی کیا جاسکتا ہے کہ مذہبی تلمیحات کی بنیاد مشہورات پر نہیں ہے۔ ہر وہ تلمیح جس کا تعلق مذہب سے ہے، اپنے پیچھے عقائد اور حقائق کا ایک کامل نظام رکھتی ہے۔ ہم چوں کہ تلمیحات کی پرکھ نعتیہ شاعری کے حوالے سے کر رہے ہیں، اس لیے ہمارا موضوع خالص اسلامی تلمیحات تک محدود ہے۔ جن کا مآخذ قرآنِ کریم اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ لہٰذا ہم ذیل میں قرآنی و احادیثی تلمیحات سے متعلق مفصل بحث کریں گے۔

- ### قرآنی تلمیحات :

تلمیح فن شعر گوئی کی ایک معروف و مقبول صنعت ہے۔ قدیم انسانی تاریخ، مشاغل، رسومات اور جدال و جنگ سے متعلقہ سینکڑوں داستانیں اور کہانیاں ہیں۔ ان قصے کہانیوں کی طرف جو الفاظ، ضرب المثال، کہاوتیں اور محاورے اشارہ کرتے ہیں، ادبی اصطلاح میں انھیں تلمیح کہا جاتا ہے۔ فصاحت و بلاغت کے لیے ان کا استعمال ضروری سمجھا جاتا ہے۔ در حقیقت یہاں ایک لطیف اشارہ ہوتا ہے جو اختصار و حدود کی پابندی کے باوجود ایک دفتر کا حامل ہوتا ہے اور وہ ایک دو الفاظ میں سمٹ کر کوزے میں دریا کے مصداق بن جاتا ہے۔

عربی و فارسی ادبیات کے اثرات اردو ادبیات کے خمیر میں ہیں، لہٰذا عربی و فارسی تلمیحات کا ایک بیش بہا خزینہ پہلے ہی سے اردو میں موجود ہے۔ پھر ہندوستانی ماحول اور ہندو دیومالائی تلمیحات بھی رائج ہیں۔ ہماری اردو شاعری کے آئینہ صد رنگ میں اگر ایک طرف گل و بلبل، فرہاد و شیریں، رستم و سہراب، بت و بت خانہ اور مئے و مئے کدہ کی کیف پرور باتیں اور عجمی شبستان کی دلنوازیاں جھلک رہی ہیں، تو دوسری طرف

ہمارے شعرا کا کلام جا بہ جا ایسے خیال افروز اصطلاحات اور فصیح و بلیغ اشارات سے مزین ہے جن کا ماخذ قرآن و سنت اور خالص مذہبی تاریخی روایات ہیں۔

قرآنِ مجید کلامِ الٰہی ہے، جو تیئس برس کے طویل دورانیے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وقتاً فوقتاً نازل ہوا۔ یہ کلام اللہ کے مقرب فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچاتے رہے۔ غارِ حرا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی اور اس سلسلے کی آخری وحی حجتہ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی۔ اس موقع پر اسلام اور قرآن کی تکمیل کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ یہ دنیا کی کامل ترین کتاب ہے۔ اس میں مختلف انبیا کے واقعات، مختلف اقوام کا احوال اور زندگی گزارنے کے لیے کامل اصول شامل کیے گئے ہیں۔ اردو ادب ہمیشہ سے عربی و فارسی ادبیات سے متاثر رہا ہے، اس لیے ان زبانوں کے الفاظ اور ان کی تلمیحات اردو ادب کا حصہ بن گئے۔ اردو ادب میں تلمیحات کا ایک بیش بہا خزینہ عربی زبان سے لیا گیا ہے۔ جن میں قرآنی تلمیحات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اکثر شعرا اپنے کلام میں حسن و تاثر پیدا کرنے کے قرآنی واقعات اور قرآنی آیات کی طرف اشارہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے متعلق ڈاکٹر مصاحب علی صدیقی لکھتے ہیں: "۔۔۔ قرآنِ کریم سے اخذ کردہ تلمیحات اردو شاعری کا سرمایہ افتخار ہیں۔ تلمیحات کا بڑا ذخیرہ قرآنی تلمیحات پر ہی مشتمل ہے۔" (۱)

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بنیادی مآخذ قرآنِ مجید ہی ہے۔ لہٰذا نعتیہ شاعری میں سب سے زیادہ تلمیحات قرآن سے اخذ کی گئی ہیں۔ جہاں کہیں شعرا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و توصیف اور عظمت ثابت کرنا چاہتے ہیں، وہ قرآنی آیات و واقعات کا سہارا لیتے ہیں۔ جس کی بدولت اردو کی نعتیہ شاعری میں قرآنی تلمیحات کا بیش بہا خزینہ شامل ہو گیا ہے۔ ان تلمیحات میں سے زیادہ استعمال ہونے والی تلمیحات کی فہرست کچھ یوں بنائی جا سکتی ہے ؛ زم زم، کوثر، کوہِ طور، قصہ ابراہیم و نمرود، قصہ موسیٰ و فرعون، ابنِ مریم، ابرہہ، اعجازِ مسیحا، اصحابِ کہف، تختِ سلیمان، بلقیس، حسنِ یوسف، صبر ایوب، طوفانِ نوح، پسرِ نوح، برادرانِ یوسف، بوئے پرہن، چاہِ یوسف، حجرِ اسود، واقعہ معراج، خاتم نبوت، دعائے خلیل، سدرہ المنتہیٰ اور صدائے کن فیکون وغیرہ۔ یہ وہ تمام تلمیحات ہیں جو اردو ادب بالخصوص اردو نعتیہ شاعری میں بہ کثرت استعمال کی جاتی ہیں۔

اردو ادب میں استعمال ہونے والی قرآنی تلمیحات کو عموماً دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک قسم وہ ہے جس میں کسی قرآنی آیت یا آیت کے کسی ایک حصے یا لفظ کو شعر میں لایا جاتا ہے۔ مثلاً "قابِ

قوسین"، "مازاغ"، "لک ذکرک" وغیرہ۔ دوسری قسم میں قرآنی تعلیمات وعقائد، تراجمِ آیاتِ قرآنی اور قرآنی واقعات سے استفادہ کرتے ہوئے تلمیح تراشی جاتی ہے۔ ذیل میں ہم منتخب شعرا کے کلام میں قرآنی تلمیحات کے استعمال کا جائزہ لیتے ہیں۔

ریاض مجید:

ریاض مجید کے کلام میں قرآنی آیات یا احکامات اور قرآنی واقعات کی طرف اشارے اکثر و بیشتر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ اُن کے قرآن مجید کے عمیق مطالعہ کا نتیجہ ہے کہ ان کے کلام میں ہمیں جابجا قرآنی حوالے ملتے ہیں۔ ریاض مجید کی نعت ہمیں قرآنی الفاظ اور قرآنی واقعات سے مزین نظر آتی ہے۔ وہ اکثر و بیشتر اپنے کلام میں قرآنی الفاظ و تلمیحات کا استعمال کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ریاض مجید قرآنی تلمیحات کا استعمال اس مہارت سے کرتے ہیں کہ ان کا کلام بلاغت کی معراج پر دکھائی دیتا ہے۔ یہاں ہم ریاض مجید کے نعتیہ کلام میں سے چند قرآنی تلمیحات کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ ہم معلوم کرسکیں کہ ریاض مجید کا کلام اظہار و ابلاغ کے کس درجہ پر ہے۔

"تصور غیر ممکن رفعت و شانِ محمد کا
عبث ہے ڈھونڈنا جس طرح آدمؑ کے اب و جد کا"

(ریاض مجید، سیدنا کریم، ص۲۷)

متذکرہ بالا شعر میں ریاض مجید، حضور سرورِ کائنات ﷺ کی عظمت و توقیر کی بلندی کی مثال حضرت آدمؑ سے دے رہے ہیں کہ جس طرح حضرت آدمؑ کے آباؤ اجداد کا ڈھونڈنا بے کار ہے کیوں کہ اللہ نے آدمؑ کو بغیر ماں، باپ کے پیدا فرمایا اسی طرح حضورِ اکرم ﷺ کی عظمت و شان کی حد تلاش کرنا بے کار ہے کیوں کہ اللہ نے اس کی کوئی حد رکھی ہی نہیں۔ حضرت آدمؑ کی تخلیق کا مکمل واقعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان کیا ہے۔ اللہ نے آدمؑ کا بت بنایا اور پھر اس میں روح پھونکی لہٰذا آباؤ اجداد کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔سورہ" آل عمران" میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: ترجمہ؛ " اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال ہو بہو آدمؑ کی ہے جسے مٹی سے بنا کر کہہ دیا کہ ہو جا! پس وہ ہو گیا۔" [۲]

ریاض مجید ایک اور شعر میں حضرت آدمؑ کی تلمیح لاتے ہوئے کہتے ہیں:

"سکھائے صیغِ کُن، اللہ نے اسما جب آدمؑ کو
سکھایا سب سے پہلے اسم، آدمؑ کو محمدؐ کا "

(ریاض مجید، سیدنا کریم، ص ۲۷)

اس شعر میں سورہ" البقرہ" کی آیت نمبر ۳۱ کی طرف اشارہ کیا گیا جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اسما سکھانے کا ذکر کیا ہے۔ قرآن میں ہے:

ترجمہ: " اور اللہ نے آدم کو تمام نام سکھا کر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا، اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔" (۳)

اس کے بعد حضرت خضرؑ کا تذکرہ ریاض مجید کے کلام میں بہت ملتا ہے۔ حضرت خضرؑ کا تذکرہ قرآن مجید میں انبیاؑء کی راہنمائی کے زمرے میں کیا گیا ہے۔ علمائے دین میں بعض انھیں اللہ کا پیغمبر مانتے ہیں اور بعض ولی۔ کہا جاتا ہے کہ خضرؑ نے آبِ حیات پی لیا تھا جس سے ان کی زندگی جاوداں ہو گئی۔ اردو ادب میں خضر کی تلمیح عموماً طویل عمری کے حوالے سے ہی استعمال کی جاتی ہے یا پھر راہنمائی کے لیے مستعمل ہے۔ قرآن مجید کی سورہ "الکہف" کی آیت ۶۵ میں اللہ نے ایک نیک بندے کا ذکر کیا ہے۔ مولانا مودودی کے مطابق وہ نیک و برگزیدہ بندہ حضرت خضرؑ ہیں: " اس بندے کا نام تمام معتبر احادیث میں خضرؑ بتایا گیا ہے۔" (۴) ریاض مجید نے خضر کی تلمیح طویل عمر کے حوالے سے ہی استعمال کی ہے:

"ملے اک پل جو مواجہ پہ حضوری والا

اہلِ نسب اسے عمرِ خضری کہتے ہیں"

(ریاض مجید، سیدنا کریم، ص ۱۰۴)

حضور اکرم ﷺ کے دربار میں ایک پل کی حاضری کو خضرؑ کی طویل العمری سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"خضر کی عمر ملے بھی تو ادا کیسے ہو شکر

اس نوازش کا جو سرکار نے ہم پر کی ہے"

(ریاض مجید، سیدنا رحیم، ص ۴۴)

متذکرہ بالا شعر میں حضرت خضرؑ کی طویل العمری کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اتنی طویل عمر بھی سرکارؐ کی نوازشات کا شکریہ ادا کرنے کے لیے بہت کم ہے۔

ریاض مجید کے کلام میں قرآن میں مذکورہ شخصیات کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات کی طرف اشارے بھی ملتے ہیں:

"ہیں نفخت فیہ روحی کی یہ نقش آرائیاں
ہم کہیں کیا نعتِ احمدؐ، روحِ رحمانی کہے"

(ریاض مجید، سیدنا رحیم، ص ۷۳)

متذکرہ بالا شعر میں: نفخت فیہ روحی" کے الفاظ قرآن پاک کی سورہ" الحجر" کی آیت نمبر ۲۹ کے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ، آدمؑ میں روح پھونکنے کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

"تیرے سبب رب نے کہا
لا تقنطو ، لا تقنطو"

(ریاض مجید، سیدنا کریم، ص ۷۸)

لفظ" لاتقنطو" قرآن مجید کی سورہ" الزمر" کی آیت نمبر ۵۳ میں استعمال ہوا ہے جس میں اللہ کی رحمت سے امید کا حکم دیا جا رہا ہے۔ کہا گیا: " تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔" ریاض مجید کہتے ہیں کہ یہ جو اللہ" لاتقنطو" کہہ رہے ہیں یہ سب حضور اکرمؐ کے صدقے اور وسیلے سے ہے۔

"کیسے کیسے نام سے قرآں انھیں کرتا ہے یاد
شاہد و مزمل و یٰسین و احمد، مرحبا!"

(ریاض مجید، سیدنا کریم، ص ۷۴)

شاہد، مزمل، یٰسین اور احمد کے ناموں سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضور اکرمؐ کو پکارا ہے۔" مزمل اور یٰسین" کے نام سے قرآن مجید میں سورتیں بھی نازل ہوئیں اور ان سورتوں کے مخاطب آپؐ ہی ہیں۔

"سب عبد تو اک عبدہ
ہے منفرد خلقت میں تُو"

(ریاض مجید، سیدنا کریم، ص ۸۱)

قرآن مجید میں پانچ مقامات پر لفظ" عبدہٗ" استعمال ہوا ہے اور ہر مقام پر اس سے مراد حضورؐ سرورِ کائنات ہیں۔ سورہ" بنی اسرائیل"، سورہ" الکھف" اور سورہ" الفرقان" کی پہلی آیات میں یہ لفظ آیا ہے۔ اسی طرح سورہ" النجم" کی دسویں آیت اور سورہ " الحدید" کی نویں آیت میں حضور اکرمؐ کے لیے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یوسف سلیم چشتی" شرح جاوید نامہ" میں لکھتے ہیں: " لفظ رسول یا نبی سے قرب کا وہ مفہوم ظاہر نہیں ہو سکتا جو عبدہٗ سے ہویدا ہے۔" (۵)

اس کے علاوہ واقعہ معراج کی تلمیحات کا استعمال بھی ریاض مجید کے ہاں دکھائی دیتا ہے ۔ لفظ "معراج" خود ایک تلمیحی لفظ ہے۔اس کے علاوہ لفظ " سدرہ المنتہیٰ " کا استعمال بھی ملتا ہے۔لفظ معراج حضورِ اکرمؐ کے راتوں رات آسمانوں کی سیر کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور" سدرہ المنتہیٰ " وہ مقام ہے جہاں سردارِ ملائک حضرت جبرائیلؑ رک گئے اور اس سے آگے کا سفر حضورِ اکرمؐ نے تنہا کیا۔واقعہ معراج سے متعلق سورہ" بنی اسرائیل" میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: " پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔" (٦) سورہ" النجم " کی آیت نمبر ١٤ میں " سدرہ المنتہیٰ " کا ذکر کیا گیا کہ حضورِ اکرمؐ اس مقام پر حضرت جبرائیل سے ملے تھے۔ریاض مجید کہتے ہیں:

"اس سے آگے کا سفر کیا دیکھنے کی کیا مجال
منزلِ سدرہ پہ ہے سب کی نظر ٹھہری ہوئی"

(ریاض مجید،سیدنا کریم، ص٤٧)

ایک اور مقام پر حضورِ اکرمؐ کے در پر جھکنے کو جبین کی معراج سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"معراج ہے جبیں کی درِ مصطفیٰ کا لمس
خاک آنکھ سے لگا کہ یہ زینہ ہے خیر کا"

(ریاض مجید،سیدنا رحیم، ص٣٥)

ایک اور مقام پر حضورِ اکرمؐ کی عظمت کا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"جس جگہ جبریل کو بھی تابِ ہمراہی نہیں
حال اس منزل کا کیسے فکرِ انسانی کہے"

(ریاض مجید،سیدنا رحیم، ص١٣)

اس شعر میں سدرہ المنتہیٰ کا ذکر کیا گیا ہے۔

"سفر ہے در پیش سدرہ المنتائے فن کا
زبان سورج ، نگاہ قندیل ہو رہی ہے"

(ریاض مجید،سیدنا رحیم، ص ٦٣)

متذکرہ بالا شعر میں حضورِ اکرمؐ کی توصیف وثنا کو سدرہ المنتہیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

نعت اور قرآن کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ نعتیہ شاعری میں قرآنی تلمیحات کا استعمال بکثرت کیا جاتا ہے۔ قرآنی تلمیحات کے استعمال سے جہاں شعر کے مفاہیم میں وسعت پیدا ہوتی ہے، وہیں نعتیہ شاعری کی لفظیات میں خوب صورت اضافہ ہوتا ہے۔ ریاض مجید نے قرآنی تلمیحات کے استعمال سے اپنے نعتیہ لغت کی لفظیات میں بیش بہا اضافہ کیا ہے۔ ریاض مجید کی نعت میں "نفخت فیہ روحی" اور "لاتقنطو" جیسے قرآنی الفاظ نعتیہ لغت میں خوب صورت اضافہ ہیں۔ ریاض مجید نہ صرف قرآنی الفاظ کا بہ طور تلمیحات استعمال کرتے ہیں بلکہ قرآنی الفاظ کے ذریعے نئ شعری تراکیب بھی ترتیب دیتے ہیں۔ مثلاً "سدرہ المنتہائے فن"، "صبحِ کن"، "روحِ رحمانی"، "شاہد و مزمل و یٰسین و احمد" وغیرہ۔ قرآنی تلمیحات کے استعمال سے جہاں نعتیہ لغت میں الفاظ و تراکیب کا اضافہ ہوا، وہیں کلام میں بلاغت کا عنصر بھی پیدا ہوا۔ وہ بات جس کے بیان کے لیے اوراق کے دفتر درکار تھے، تلمیح کے ذریعے وہ بات ایک دو لفظوں میں بیان کر دی گئی۔

عزیز احسن:

ریاض مجید کی طرح عزیز احسن کے ہاں بھی ہمیں قرآنی تلمیحات ملتی ہیں البتہ ان کے ہاں ہمیں منفرد تلمیحات دکھائی دیتی ہیں، قرآن کی جو آیات یا الفاظ ریاض مجید نے تلمیح کے طور پر استعمال کیے ہیں، عزیز احسن کے کلام میں ہمیں کم ہی دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً قرآنی الفاظ میں سے ایک لفظ "جآءُوک" کا استعمال ہمیں ان کے کلام میں کئی مقامات پر دکھائی دیتا ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں سورہ "النسا" کی آیت ۶۴ میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس آیتِ مبارکہ میں لوگوں کو حضورِ اکرمؐ کی طرف آنے کا حکم دیا گیا اور کہا گیا کہ رسولؐ ان کے لیے استغفار کرتے تو اللہ انھیں معاف کر دیتا۔

"قرآن سے پاتے ہیں کیا خوب یہ دانائی
جآءوک پڑھا جب سے عشاق کی بن آئی"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص ۳۶۸)

ایک اور شعر میں یہی تلمیح کچھ اس پیرائے میں استعمال کی گئی ہے۔

"مسلسل آیہء جآءُوک ہی یاد آ رہی تھی
سنہری جالیوں کے سامنے جب میں کھڑا تھا"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص ۵۴۳)

شاعر کو روضہء رسول کے سامنے کھڑے ہو کر قرآن کی وہ آیت یاد آ رہی تھی جس میں انسان کو خطاؤں کے بعد طلبِ بخشش کے لیے حضورِ اکرمؐ کے حضور حاضری کا کہا گیا۔ اس کے علاوہ عزیز احسن کے ہاں " ام الکتاب " کی تلمیح کا استعمال بہت ہے۔ " ام الکتاب " سے مراد قرآن مجید کی پہلی سورت یعنی سورہ "الفاتحہ " ہے۔ عربی زبان میں لفظ " ام " جامعیت کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ سورہ " الفاتحہ " کو " ام الکتاب " اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ سورہ قرآن کی سب سے جامع سورہ ہے۔ سورہ الحجر میں ہے۔ ترجمہ: " یقیناً ہم نے آپ کو سات آیتیں دے رکھی ہیں کہ وہ دہرائی جاتی ہیں اور عظیم قرآن بھی دے رکھا ہے "۔ (۷) مولانا مودودی کے مطابق ان سات آیات سے مراد سورہ الفاتحہ ہے۔ عزیز احسن " ام الکتاب " کی تلمیح کو بڑی مہارت اور خوب صورتی سے اپنے کلام میں لاتے ہیں:

"جمال و حسنِ رسالت مآب دیکھتے ہیں
جو دل کی آنکھوں سے ام الکتاب دیکھتے ہیں"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص: ۵۷۶)

دل کی آنکھوں سے جمال و حسنِ حضورؐ دکھائی دیتا ہے۔ بظاہر اس سورہ میں حضورِ اکرمؐ کی شان میں کوئی آیتِ مبارکہ نہیں ہے البتہ اگر غور کیا جائے تو جہاں انعام یافتہ لوگوں کی راہ پر چلنے کی دعا ہے تو اس سے مراد حضورِ اکرمؐ کی اطاعت ہی ہے۔ وہ راستہ جسے صراطِ مستقیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔

"جو فہمِ آیہء اُم الکتاب مل جائے
شعورِ مدحِ رسالت مآب مل جائے"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص ۶۵۰)

متذکرہ بالا شعر میں بھی اسی آیتِ مبارکہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس میں انعام یافتہ لوگوں کی تقلید کا ذکر ہے۔ عزیز احسن حضورِ اکرمؐ کی شانِ مبارکہ کے بیان میں " احسنِ تقویم " کی تلمیح کو کلام میں یوں لاتے ہیں:

"حق کہ ذاتِ پاک ہے رب کا مکمل شہکار
آپؐ ہی کی ذات مظہر احسنِ تقویم کی"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص ۳۸۳)

سورت " التین" کی آیت نمبر ۴ میں ہے ۔ ترجمہ : یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔ (۸)
متذکرہ بالا شعر میں اسی آیتِ مبارکہ کی جانب اشارہ کیا جارہا ہے اور حضورِ اکرمؐ کو اس آیت کا مظہر قرار دیا جا رہا ہے۔

"وہ راہِ بو لہبی پر ہی گامزن ہو گا
نبیؐ سے بڑھ کے کسی کو جو راہ داں سمجھے"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص ۲۶۰)

ابو لہب حضورِ اکرمؐ کا چچا تھا۔ یہ اور اس کی بیوی حضورِ اکرمؐ کے جانی دشمن تھے۔ مرتے دم تک یہ کفر پر قائم رہا اور حضورِ اکرمؐ سے دشمنی نبھاتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کے لیے سورہ اتاری اور اسے سخت سزا کی وعید سنائی۔ ترجمہ:

" ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گیا۔ نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔ وہ عنقریب بھڑکنے والی آگ میں جائے گا اور اس کی بیوی بھی، جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے ۔ اس کی گردن میں پوست کھجور کی بنی رسی ہو گی۔ "(۹)

یقیناً ابو لہب گمراہ ہو گیا تھا، اس لیے اُس کے لیے سخت سزا کی وعید سنائی گئی۔ شاعر حضورِ اکرمؐ کے راستے سے ہٹ کر کسی اور راستے پہ چلنے والے کو ابو لہب کا پیروکار کہہ رہے ہیں۔

"حضور خاص عنایات کی ضرورت ہے
رواج پاتا ہے کردارِ بولہب شب و روز"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احمد، ص ۵۳۲)

اس شعر میں عہدِ حاضر کے افعالِ بد کو ابو لہب کے اعمال سے تعبیر کیا گیا ہے اور عالمِ اسلام پر کفر کے غلبے کا ذکر کرتے ہوئے حضورِ اکرمؐ سے رحم و کرم کی گزارش کی گئی ہے۔

"جو امت امر بالمعروف پر قائم رہی برسوں
سراسر کھو چکی اب سیرتِ اطہر کی تابانی"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص ۳۸۷)

" امر بالمعروف" سورہ " الحج" کی ۴۱ویں آیت کے الفاظ ہیں جن کا مطلب ہے " اچھے کاموں کا حکم کرنا"۔ حضور اکرمؐ اور باقی تمام انبیاؑ اسی لیے بھیجے گئے کہ وہ انسانوں کو اچھے اعمال کی طرف لائیں اور حضور اکرمؐ کے وصال کے بعد یہ کام ان کی امت کی ذمہ داری ہے لیکن چوں کہ امت حضور ﷺ کی سیرت کو بھول چکی ہے لہٰذا وہ اشاعتِ دین کے کاموں میں بھی سخت سست اور کاہل ہو چکی ہے۔

"محمدِ عربی رحمتِ ہر عالم ہیں
ہر امتی کو بھی ہونا ہے شر سے دور ضرور"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص ۵۲۷)

اس شعر میں " سورہ الانبیا" کی آیت ۱۰۷ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس میں فرمایا گیا ہے: ترجمہ: " اور ہم نے تمھیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" (۱۰)

جنت میں ایک نہر ہے جس کا نام کوثر ہے اور اس سے متعلق فرمایا گیا کہ یہ نہر حضور ﷺ کو عطا کو جائے گی اور آپؐ کے امتی حشر کی گرمی میں جب پیاس سے نڈھال ہو رہے ہوں گے تو آپؐ انھیں اس نہر سے اپنے دستِ مبارک سے پانی عطا کریں گے۔ کوثر کی تلمیح اردو ادب میں بہت زیادہ استعمال کی جاتی ہے۔ عزیز احسن نے بھی اسے بطور تلمیح اپنے کلام میں برتا ہے۔

"سائباں ہے آپؐ کی چاہت مجھے صحراؤں میں
پائی مدحت میں حلاوت کوثر و تسنیم کی"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص ۳۸۳)

"جو حاضری کی سعادت ملے تو اس در پر
فسانہ دل کا برنگِ زبور اشک کہیں"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص ۶۸۳)

زبور ایک الہامی کتاب ہے جو حضرت داؤدؑ پر نازل کی گئی تھی۔ اس سے متعلق قرآن کی سورہ " النسا" کی آیت نمبر ۱۶۳ میں آیا ہے۔ ترجمہ: " اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی"۔ (۱۱) اس کے علاوہ اور بھی کئی مقامات پر اس الہامی کتاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ عزیز احسن اس شعر میں زبور کی تلمیح استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جیسے داؤدؑ کے لحن سے نغمہ زبوری نکل کر ماحول پر رقت طاری کر دیتا تھا اسی طرح اگر حضورؐ سرورِ عالم کے در کی

حاضری مجھے نصیب ہو جائے تو میں صدائے پر سوز میں اپنے دل کا حال بیان کروں جو سننے والوں کو اپنے سحر میں جکڑ لے۔

"توفیقِ مدح پائی یہ کم تو نہیں عزیز
خوش ہو کہ میں بھی طورِ ثنا کا کلیم ہوں"

(عزیز احمد، کلیاتِ عزیز احمد، ص۷۲۹)

متذکرہ بالا شعر میں دو تلمیحی الفاظ لائے گئے ہیں، " طور" اور "کلیم"۔ کلیم حضرت موسیٰؑ کو کہا جاتا ہے اور طور وہ پہاڑ ہے جس پر جا کر حضرت موسیٰؑ خدا سے ہم کلام ہوتے تھے۔ اس کے بارے میں قرآن میں ہے:

> ترجمہ: "جب موسیٰؑ نے مدت پوری کر لی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے تو کوہِ طور کی طرف آگ دیکھی۔ اپنی بیوی سے کہنے لگے ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے بہت ممکن ہے کہ میں وہاں سے کوئی خبر لاؤں یا آگ تا کہ تم سینک لو۔ پس جب وہاں پہنچے اس بابرکت زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت میں سے آواز دی گئی کہ اے موسیٰؑ! یقیناً میں ہی اللہ ہوں سارے جہانوں کا پروردگار۔" (۱۲)

یعنی طور وہ پہاڑ ہے جہاں سے حضرت موسیٰؑ کو صدا دی گئی اور اس کے بعد بھی کئی بار حضرت موسیٰؑ اس پہاڑ پر اللہ سے ہم کلام ہوئے۔ عزیز احسن طور و کلیم کی تلمیحات کو استعاراتی انداز میں برتتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ بھی کچھ کم نہیں کہ جس طرح حضرت موسیٰؑ کوہِ طور پر اللہ سے کلام کر لیتے تھے، میں بھی نعت کے ذریعے حضورؐ تک اپنے دل کا حال پہنچا دیتا ہوں۔

قرآنی تلمیحات کے استعمال سے عزیز احسن کے نعتیہ لغت میں عربی الفاظ و تراکیب کا خوب صورت اضافہ ہوا ہے۔ مثلاً "آیہء جآءوک"، "فہمِ آیہء ام الکتاب"، "شعورِ مدحِ رسالت مآب"، مظہر احسنِ تقویم"، "راہِ بولہبی"، "کوثر و تسنیم"، "برنگِ زبور" اور "طورِ ثنا" وغیرہ۔ یہ تمام قرآنی الفاظ و تراکیب جہاں شعر میں بلاغت کا عنصر پیدا کرتے ہیں، وہیں شاعر کے نعتیہ لغت میں ذخیرہ الفاظ کا اضافہ بھی ہیں۔ عزیز احسن نے تلمیح کے ذریعے کلام میں منظر نگاری کا عنصر بھی شامل کر دیا ہے۔

صبیح الدین رحمانی:

صبیح الدین رحمانی عصرِ رواں کے مشہور و مقبول نعت خوان و نعت گو ہیں۔ ریاض مجید اور عزیز احسن کی طرح صبیح الدین رحمانی کے ہاں بھی ہمیں قرآنی تلمیحات کا استعمال دکھائی پڑتا ہے۔ "معراج" کی تلمیح (جس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں درج کی گئی ہے) کا استعمال اس طرح کرتے ہیں:

"فرازِ عرش پہ معراجِ معنوی کیا ہے
درِ نبی ہو میسر تو بندگی کیا ہے"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص ۸۳)

یہاں معراج کو الفاظ و معانی سے جوڑ کر اپنی بے بسی کا اظہار کیا جارہا ہے۔ حضور اکرمؐ کے لیے " فرازِ عرش" کا استعارہ برتا گیا ہے۔ " عرش" کی تلمیح بھی قرآن میں جابجا استعمال کی گئی ہے۔

"قدمِ صاحبِ معراج نے بخشا ہے عروج
ورنہ سچ پوچھو تو کونین میں کیا رکھا ہے"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص ۱۰۶)

اس شعر میں حضور اکرمؐ کو صاحبِ معراج کہہ کر اور دوسرا یہ کہہ کر کہ آپؐ کی نسبت سے ہی کون و مکان کی توقیر و وقعت ہے، حضورؐ کی شان بیان کی گئی ہے۔

"تھا شبِ اسریٰ بھی ان کو کتنا امت کا خیال
میرے آقا آ گئے عرشِ معلیٰ چھوڑ کر"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص ۲۶۶)

"شبِ اسریٰ" کی تلمیح بھی واقعہ معراج سے ہی منسوب ہے۔ حضور اکرمؐ عرشِ معلیٰ پر گئے اور پھر راتوں رات واپس آ گئے۔

کوثر (جو کہ جنت کی ایک نہر ہے اور جس سے متعلق اللہ نے قرآن میں سورت نازل کی اور حضور اکرمؐ سے کہا کہ ہم نے آپؐ کو کوثر سے نوازا ہے) کی تلمیح کو صبیح الدین رحمانی اس انداز میں برتتے ہیں:

"ہم ان کے نام سے مخمور و مست رہتے ہیں
خطا معاف ہو کوثر کی مے کشی کیا ہے"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص ۸۳)

اس شعر میں شاعر کوثر کی تلمیح کا استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں حضور اکرمؐ کا نام ہی کافی ہے۔ یہ نام سن کر ہی مست ہو جاتے ہیں لہذا ہمارے سامنے کوثر کے جام کی کیا حقیقت۔ ایک اور جگہ کوثر کی تلمیح یوں استعمال کرتے ہیں:

"اے تشنہ لبو! حشر کی پیاس آج بجھا لو
موجوں میں ہے کوثر کی دبستانِ مدینہ"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص ۹۰)

یہاں پہلے شعر سے بالکل مختلف انداز میں "کوثر" کی تلمیح لائی گئی ہے اور یہی شاعرانہ فن کاری ہے کہ ایک ہی لفظ یا تلمیح و استعارہ کو مختلف معنوں میں استعمال کیا جائے۔

صبیح الدین رحمانی لفظ قرآن کا استعمال بھی اپنے کلام میں جابجا کرتے ہیں۔ قرآن وحیء الٰہی کا نام ہے اور یہ دنیا کی مکمل و جامد کتاب ہے۔

"آئے نظر جو وہ رخِ قرآن کسی دن
آئینے بنے دیدہء حیران کسی دن"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص ۹۶)

"خدا گواہ مسلسل ہے بولتا قرآں
حضورِ سیدِ عالم کی زندگی کیا ہے"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص ۸۳)

پہلے شعر میں حضور اکرمؐ کے چہرہء مبارک کو قرآن سے تعبیر کیا ہے۔ معنی یہ ہے کہ جیسے قرآن میں کوئی عیب نہیں ایسے ہی حضور اکرمؐ بے عیب ہیں۔ دوسرے شعر میں حضور سرورِ عالمؐ کو قرآنِ ناطق کہا گیا۔ مراد یہ ہے کہ قرآن احکاماتِ الٰہی کا مجموعہ ہے اور ان احکامات کی عملی تصویر حضور ﷺ کی زندگی ہے۔

قرآنی تلمیحات نے صبیح الدین رحمانی کے نعتیہ لغت میں الفاظ و تراکیب کا خوب صورت اضافہ کیا ہے۔ جو نہ صرف کلام میں بلاغت کا موجب ہیں بلکہ شعری جمالیات میں حسن و زیبندگی کا باعث بھی ہیں۔ "فرازِ عرش"، "معراجِ معنوی"، "قدمِ صاحبِ معراج" اور "رخِ قرآن" ایسی تلمیحات ہیں جنھیں ترکیب کے قالب میں ڈھال کر شاعر نے نہ صرف کلام میں بلاغت کا عنصر شامل کیا بلکہ کلام کے حسن و زیبائش میں اضافہ کیا۔

مقصود علی شاہ:

مقصود علی شاہ کے کلام میں ہمیں سب سے زیادہ قرآنی تلمیحات کا حوالہ ملتا ہے۔ بالخصوص واقعہ معراج کی تلمیحات کا بیان بہت زیادہ ملتا ہے:

"معراج نے بخشے ہیں نئے شوقِ ترفع
افلاک کا در آپؐ کی رفعت سے کھلے گا"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص۱۲۱)

" معراج" کی تفصیل پہلے بیان کی جاچکی ہے اس لیے دوبارہ اس کا بیان عبث ہے۔ ہاں البتہ ہم اس تلمیح کو سمجھنے کی سعی کرتے ہیں۔ اس شعر میں لفظ" افلاک" بمعنی بلندی کے لایا گیا ہے۔ شاعر اس حقیقت کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ معراج سے ہم پر یہ بات عیاں ہوگئی کہ بلندیاں صرف اور صرف آپؐ کے لیے ہی ہیں۔

"معراج سے اک یہ بھی تھا مقصود خدا کا
ہو عرش بھی دیدِ رخِ احمدؐ سے مرصع"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص ۹۲)

"کس کو معلوم تری شوکتِ معراج کی رمز
خلق تو سمجھی نہیں معنیء قوسین ابھی"

(مقصود علی شاہ، مطافِ حرف، ص ۷۳)

متذکرہ بالا اشعار میں بھی واقعہ معراج کی تلمیح کے ذریعے آپؐ کی عظمت کا بیان کیا گیا ہے۔ پہلے شعر میں شاعر معراج کا مقصد یہ بیان کرتے ہیں کہ عرش کو چہرۂ انور سے مرصع کیا گیا۔ دوسرے شعر میں کہتے ہیں کہ کوئی معراج کے اسرار کیا سمجھے یہاں تو ابھی" قابِ قوسین" کے معنی کسی کی سمجھ میں نہیں آئے۔" قابِ قوسین" بھی قرآنی تلمیح ہے۔ سورہ "النجم" میں حضرت جبرائیلؑ سے حضورؐ کی ملاقات کا احوال بیان کرتے ہوئے کہا گیا کہ ان دونوں کے درمیان دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ یہ اسی آیت کی طرف اشارہ ہے کہ مخلوق تو حضرت جبرائیل کی اصل صورت میں ملاقات کے احوال پر حیران ہے تو معراج کو کیا جانے۔" قاب قوسین" کی تلمیح اردو ادب میں واقعۂ معراج کی مناسبت سے استعمال کی جاتی ہے۔

"قابِ قوسین کی تلمیح پہ حیرت ساکت
ناوکِ شوق سے پہلے ہی کماں کھلتی ہے"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص ۷۸)

یہاں بھی اسی آیتِ مبارکہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ "سدرہ" اور "مسجدِ اقصیٰ" کی تلمیحات بھی واقعۂ معراج سے منسوب ہیں۔ " سدرہ المنتہیٰ" وہ مقام ہے جہاں جبرائیلؑ رک گئے اور مسجدِ اقصیٰ مسلمانوں کا قبلۂ اول ہے۔ معراج کی شب حضور اکرمؐ کو پہلے مسجدِ اقصیٰ لے جایا گیا جہاں آپ کی امامت میں تمام انبیاء نے نماز ادا کی۔ سورہ "بنی اسرائیل" میں ہے۔ ترجمہ: " پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا۔"[۱۳] مقصود علی شاہ کے کلام میں ہمیں اقصیٰ اور سدرہ کی تلمیحات بھی ملتی ہیں:

"اقصیٰ سے قبلہ کی تحویل کا نوری منظر
نور کی ساری کہانی کا ہے عنواں چہرہ"

(مقصود علی شاہ، مطافِ حرف، ص۹۹)

"عجیب پھیلی ہے اقصیٰ کے صحن میں خوشبو
تری جناب میں سارے امام حاضر ہیں"

(مقصود علی شاہ، مطافِ حرف، ص۱۰۶)

پہلے شعر میں معراج کی رات قبلہ سے اقصیٰ تک کی راہ میں پھیلی روشنی کو حضور اکرمؐ سے منسوب کیا گیا ہے۔ دوسرے شعر میں امام سے مراد انبیاء ہیں جو حضور اکرمؐ کے حضور حاضر ہوئے اور آپؐ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔

"سدرہ تک ساتھ تھے جبریل، مگر بعد ازاں
نور کے پردوں سے آگے تھا فروزاں چہرہ"

(مقصود علی شاہ، مطافِ حرف، ص۹۹)

"طائرِ سدرہ کے پر جلتے ہیں جس سے آگے
اس سے آگے ہی ترا نقشِ قدم ہے پھر بھی"

(مقصود علی شاہ، مطافِ حرف، ص۱۰۰)

طائرِ سدرہ کی تلمیح حضرت جبرائیلؑ کے لیے برتی جاتی ہے۔ متذکرہ بالا دونوں اشعار میں مقامِ سدرہ پر حضرت جبرائیلؑ کے رک جانے کے واقعہ کا بیان کرتے ہوئے حضور اکرمؐ کی شان و عظمت کا بیان کیا گیا ہے۔

"اے نائبِ رازقِ کریم، احسنِ تقویم
تھاما ہے ترا دستِ نعیم، احسنِ تقویم

ہے مفلحِ دارین تری طرزِ گرامی
ہے خلق ترا خلقِ عظیم، احسنِ تقویم"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص ۹۹)

متذکرہ بالا اشعار میں دو قرآنی آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

"یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔ [۱۴]

" اور بے شک آپؐ بڑے عہدہ اخلاق پر ہیں"۔ [۱۵]

سورہ "التین" میں چار قسمیں کھانے کے بعد اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔ مفسرین کے بقول اس آیت کے مخاطب حضور اکرمؐ ہیں اور سورہ "القلم" میں قلم کی قسم کھانے کے بعد حضور اکرمؐ کے اخلاق کی گواہی دی گئی۔ شاعر کہتا ہے کہ دنیا و آخرت میں کامیابی کے لیے حضور اکرمؐ کی تقلید ضروری ہے۔

"صبح بزمِ نو میں ہے یا شامِ تنہائی میں ہے
دل بہر صورت ترے دستِ مسیحائی میں ہے"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص ۱۰۵)

مسیحا کی تلمیح حضرت عیسیٰؑ سے منسوب ہے۔ "آل عمران" میں ہے۔ ترجمہ: " اور جب فرشتوں نے کہا، اے مریم! اللہ تجھے اپنے ایک فرمان کی خوش خبری دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰؑ ابنِ مریم ہو گا"۔ [۱۶]

عیسیٰؑ کو اللہ نے کئی معجزات عطا کیے تھے جن میں بیماروں کو شفا دینا اور مردوں کو زندہ کرنے کے معجزے بھی شامل ہیں۔ اس لیے اردو ادب میں مسیح کی تلمیح طبیب کے معنوں میں مستعمل ہے۔ یہاں یہ تلمیح انھی معنوں میں لائی گئی ہے:

"تیرے خیالِ شوق میں دیدہ و دل ہیں دم بخود
تیرے بیانِ حسن میں مصر کے شہر یار چپ"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص ۱۳)

" مصر کے شہر یار" کی تلمیح حضرت یوسفؑ کے لیے لائی گئی ہے۔ حضرت یوسفؑ اپنے حسن و جمال کی وجہ سے مشہور ہیں۔ حضرت یوسفؑ کے کنویں میں گرنے سے لے کر بازارِ مصر، عزیزِ مصر کے محل، قید خانہ اور پھر مصر کی حکومت تک کا تمام احوال قرآن کی سورہ" یوسف" میں بیان کیا گیا ہے۔ یہاں شاعر" مصر کے شہر یار" کی تلمیح سے تمام داستانِ حسن بیان کر رہے ہیں کہ یوسف جو کہ اپنے حسن کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہیں وہ بھی آپؐ کے حسن و جمال کے باب میں حیرت زدہ اور چپ ہیں۔

"ابھی اک نعت چمکے گی بہ فیضِ حرفِ اقرا
مرے دل پر ابھی غارِ حرا لکھا گیا ہے"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص ۵۷)

"اقرا" اشارہ ہے قرآن کی اس آیت کی طرف جو سب سے پہلے نازل کی گئی اور یہ آیت آپؐ پر" غارِ حرا" میں نازل کی گئی۔ ترجمہ: " پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔" (۱۷) شاعر اس تلمیح کے استعمال سے اپنی بے بسی بیان کرتا ہے کہ مدحتِ رسولؐ کے باب میں عاجز و بے بس ہوں۔ بس جس طرح حضورؐ کے دل پر غارِ حرا میں قرآن نازل کیا گیا اسی طرح کبھی مرے دل پر نعتِ نبیؐ کا نزول ہو گا۔

"والفجر ترا چہرہ، واللیل ترے گیسو
اظہار تری طلعت، امکاں تری خوشبو"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص ۶۵)

متذکرہ بالا شعر میں دو قرآنی آیات کی طرف اشارہ کیا گیا۔ اول سورت" الفجر" کی پہلی آیت کی طرف جس میں ہے؛ ترجمہ: "قسم ہے فجر کی" (۱۸) اور دوم سورت " اللیل" کی پہلی آیت کی طرف جس میں کہا گیا: " قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے۔" (۱۹) مذکورہ شعر میں " والفجر" کو استعارہ کے طور پر حضور اکرمؐ کے چہرہ سے منسوب کیا گیا کہ جیسے فجر روشن ہوتی ہے اسی طرح آپؐ کا چہرہ روشن ہے اور یہاں حضور اکرمؐ کے چہرۂ مبارک کی قسم کھائی گئی ہے۔ اسی طرح" واللیل" یعنی رات کی قسم کو حضورؐ کی زلفوں سے تعبیر

کیا گیا کہ جیسے رات سیاہ ہوتی ہے ویسی ہی سیاہ آپؐ کی زلفیں تھیں، لہٰذا یہ قسم بھی آپؐ کی زلفوں کی کھائی گئی ہے۔

مقصود علی شاہ نے اپنی نعوت میں قرآنی تلمیحات کے استعمال سے اپنے نعتیہ لغت میں عربی الفاظ و تراکیب کا خوب صورت اضافہ کیا۔ مقصود علی شاہ ترکیب سازی میں ماہر ہیں اور اپنی نادر تراکیب کے سبب ادبی حلقوں میں جانے جاتے ہیں۔ قرآنی تلمیحات کو جس خوب صورت اور دل کش پیرائے میں تراکیب کے قالب میں ڈھالا ہے اس کی نظیر نہیں۔ "شوکتِ معراج کی رمز"، "معنیٔ قوسین"، "ناوکِ شوق"، "نائبِ رزاقِ کریم"، "احسنِ تقویم"، "مفلحِ دارین"، "دستِ مسیحائی"، "مصر کے شہریار" اور "بہ فیضِ حرفِ اقرا" وغیرہ ایسی قرآنی تلمیحات ہیں جنھیں ترکیب کے خوب صورت قالب میں ڈھال کر شاعر نے نہ صرف کلام میں موضوعاتی تنوع پیدا کیا بلکہ شعری حسن میں بھی اضافہ کیا۔

شاکر القادری:

شاکر القادری کے یہاں بھی ہمیں باقی شعرا کی طرح قرآنی تلمیحات بالخصوص واقعہ معراج سے متعلق تلمیحات کی خاصی تعداد ملتی ہے:

"اسریٰ بعبدہ کا شرف اور ہے کسے
عرشِ خدا ہے مسندِ رفعت حضور کی"

(شاکر القادری، چراغ، ص ۶۳)

" اسریٰ بعبدہ" سورہ " بنی اسرائیل" کی ابتدائی آیتِ مبارکہ کے الفاظ ہیں، جس میں حضور اکرمؐ کے سفر معراج کی ابتدا کا ذکر ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ اور کوئی نہیں جسے یہ شرف حاصل ہو اور نہ ہی اور کوئی ایسا ہے جس کے لیے " عبدہ" کا لفظ استعمال کیا جائے۔ خدا کا عرش حضور اکرمؐ کی بلندی کی دلیل ہے کہ وہ عرش معلیٰ پر خدا سے ملاقات کو گئے۔

"لا مکاں کی خلوتوں میں جلوہ فرما آپؐ ہیں
بزمِ او ادنیٰ کی پیشانی کا طغرا آپؐ ہیں"

(شاکر القادری، چراغ، ص ۸۵)

"سرحدِ قوسین سے بھی ماورا معراج کو
بزمِ او ادنیٰ میں چمکا اک ستارہ نور کا"

(شاکر القادری، چراغ، ص ۹۳)

" او ادنیٰ " اور " قاب قوسین " اشارہ ہے، سورہ " النجم " کی آیت نمبر ۹ کی طرف (جس کا بیان گزشتہ اوراق میں کیا جا چکا ہے)۔ " سرحدِ قوسین " سے مراد دو کمانوں کا فاصلہ اور معراج کو اس سے بھی زیادہ قربت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ " او ادنیٰ " کا معنی ہے " یا اس سے زیادہ قریب " اور حضرت جبرائیلؑ سے ملاقات دو کمانوں کے فاصلے پر ہوئی لیکن معراج سے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس سے بھی کم فاصلہ تھا۔

شاکر القادری نے " غارِ حرا " کی تلمیح بھی اپنے کلام میں کمال مہارت سے برتی ہے:

" کبھی وہ حجرہء دل میں ذرا قیام کرے
مرا نصیب بھی جاگے کبھی حرا کی طرح"

(شاکر القادری، چراغ، ص ۱۱۱)

غارِ حرا میں جب حضور اکرمؐ پر پہلی وحی نازل کی گئی تو حضرت جبرائیلؑ کی آمد سے غار کا گوشہ گوشہ چمک اٹھا۔ غارِ حرا جو کبھی ویران تھی، حضور اکرمؐ نے اس میں قیام فرما کر اسے ہمیشہ کے لیے آباد کر دیا۔ شاعر اسی طرح اپنے دل کی آبادی کا طالب ہے۔

"نکل کر چاند اک غارِ حرا سے
دو عالم کو منور کر گیا ہے"

(شاکر القادری، چراغ، ص ۱۱۳)

یہاں بھی غارِ حرا کی تلمیح استعمال کی گئی ہے اور حضورؐ کے لیے چاند کا لفظ بطور استعارہ لایا گیا ہے۔

"حرائے دل میں ہے آیاتِ نعت کی رم جھم
حریمِ جاں میں ہیں روشن ترے حرم کے چراغ"

(شاکر القادری، چراغ، ص ۴۸)

اس شعر میں دل کو غارِ حرا سے تعبیر کیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جیسے غارِ حرا میں آیاتِ قرآنی کا نزول ہوا۔ یونہی میرے دل پر نعتِ رسولؐ اتر رہی ہے اور یہ ایسے ہے جسے میرے جسم و جان میں حرمِ رسولؐ کے چراغ روشن ہو گئے ہیں۔ کوثر کی تلمیح شاکر القادری کے کلام میں بڑے خوب صورت انداز میں برتی گئی ہے:

"تیرے اللہ نے کوثر سے نوازا ہے تجھے
تیرے گستاخ کو بد خواہ کو ابتر رکھا"

(شاکر القادری، چراغ، ص۱۰۷)

یہاں محض کوثر کی تلمیح نہیں لائی گئی بلکہ ایک طرح سے یہ سورت کوثر کا منظوم ترجمہ ہے جس میں حضور اکرمؐ کو کوثر کی بشارت دی گئی اور آپؐ کے دشمن کا ابتر ہونا بیان کیا گیا ہے۔

شاکر القادری کے کلام میں ہمیں جابجا انبیاؑ کرام سے منسوب تلمیحات کا تذکرہ بڑے منفرد انداز میں ملتا ہے۔

"آپ ہی کے زمزمے ہیں بربطِ داؤدؑ میں
دستِ موسیٰؑ کے لیے بھی نور افزا آپؐ ہیں"

(شاکر القادری، چراغ، ص ۸۵)

"نخلِ صحرا ہوں مجھے برگ و ثمر مل جائے
ابرِ بارانِ کرم کچھ تو مسیحائی ہو"

(شاکر القادری، چراغ، ص ۹۰)

"پھر ملے پرہنِ یوسفؑ کنعاں کو وقار
پھر عطا دیدہء یعقوبؑ کو بینائی ہو"

(شاکر القادری، چراغ، ص ۹۱)

مذکورہ بالا تمام اشعار میں انبیائے کرام سے منسوب تلمیحات لائی گئی ہیں۔ پہلے شعر میں "بربطِ داؤد" اور "دستِ موسیٰؑ" کا تذکرہ کیا گیا اور ان کی وجہ آپؐ کو قرار دیا گیا۔ حضرت داؤدؑ اللہ کے نبی تھے جن پر زبور نازل کی گئی۔ حضرت داؤدؑ جب زبور کی تلاوت فرماتے تو ان کی مترنم آواز سے ہر سننے والا متاثر ہوتا تھا۔ حضرتِ موسیٰؑ کو اللہ نے یہ معجزہ عطا کیا تھا کہ جب وہ اپنا ہاتھ بغل میں دبا کر باہر نکالتے تو ان کا ہاتھ روشن ہوتا۔ اردو ادب میں اس معجزہ سے متعلق "ید بیضا" کی تلمیح بھی مستعمل ہے۔

دوسرے شعر میں مسیحائی کا ذکر کیا گیا ہے جو کہ حضرتِ عیسیٰؑ سے منسوب ہے جس کی تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔ تیسرے شعر میں "پرہنِ یوسف" اور "دیدہءیعقوب" کی بات کی گئی۔ یہ بھی قرآنی تلمیحات ہیں۔ سورہءیوسف میں ہے کہ حضرتِ یوسفؑ کی جدائی کے غم میں رورو کر حضرت یعقوبؑ کی آنکھوں کی بینائی

ختم ہو گئی تھی اور جب حضرت یوسفؑ نے مصر سے اپنی قمیص بھیجی تو اس کا لمس پا کر حضرت یعقوبؑ کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔ شاعر اس شعر میں حضور اکرمؐ کے انوار سے اپنی بصارت کی شفایابی کی دعا کر رہے ہیں۔ شاکر القادری قرآنی آیات کی طرف کچھ اس انداز میں اشارہ کرتے ہیں:

"شب بھر رخِ والشمس سے دریوزہ گری کو
کشکول کی صورت میں نکلتا ہے سدا چاند"

(شاکر القادری، چراغ، ص ۱۰۱)

"والنجم کی تجلیِ بے حد کے سامنے
چہرہ ہوا ہے زرد مہ و آفتاب کا"

(شاکر القادری، چراغ، ص۶۹)

مذکورہ اشعار میں سے پہلے شعر میں " والشمس " اور دوسرے میں " والنجم " کی تلمیح استعمال کی گئی ہے۔" والشمس" سورہ " الشمس" اور "والنجم" سورہ "النجم" کی پہلی آیت کی طرف اشارہ ہے، ان کا بیان پہلے کیا جا چکا ہے۔

شاکر القادری نے قرآنی تلمیحات کے استعمال سے کلام میں معنوی حسن کے ساتھ ساتھ جمالیاتی حسن اجاگر کرنے کی سعی کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان تلمیحات کے استعمال سے ان کے نعتیہ لغت میں عربی الفاظ و تراکیب کا خوب صورت اضافہ بھی ہوا۔ "بزمِ او ادنیٰ کی پیشانی کا طغرا"، "سرحدِ قوسین"، "آیاتِ نعت کی رم جھم"، "حرائے دل"، "بربطِ داود"، "دستِ موسیٰ"، "پرہنِ یوسفِ کنعاں"، "دیدہءِ یعقوب"، "رخِ والشمس" اور "والنجم کی تجلیِ بے حد" ایسی تلمیحات کے ذریعے کلام میں حسن و زیبندگی کا عنصر پیدا کیا گیا۔ قرآنی تلمیحات کے استعمال سے شاکر القادری کے کلام میں منظر نگاری کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔ خصوصاً معراج کی تلمیح کا اس خوب صورتی سے استعمال کرتے ہیں گویا سارا منظر آنکھوں کے سامنے آ جائے۔

دلاور علی آزر:

دلاور علی آزر کے کلام میں ہمیں قرآنی تلمیحات کا استعمال بہ نسبت باقی منتخب شعرا کے کم ملتا ہے۔ دلاور علی آزر کی شاعری جذبات کا کیفیاتی اظہار ہے لیکن ان کے کلام میں ہمیں قرآنی تلمیحات کا تذکرہ بڑے

منفرد انداز میں ملتا ہے۔ قرآنی الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے آیات کے مضمون کی طرف کچھ اس انداز میں اشارہ کرتے ہیں:

" صدائے کُن" سے شروعات کی گئی آزر
درود پڑھتے ہوئے کائنات ختم ہوئی"

(دلاور علی آزر، سیدی، ص ۴۹)

"کُھلے مجھ پہ رازِ خدا کبھی، پڑھوں میں بیاضِ خدا کبھی
پسِ لم یلد ، سرِ لم یولد، مدد اے رسولِ خدا مدد"

(دلاور علی آزر، نقش، ص ۴۷)

پہلے شعر میں "کُن" کی تلمیح استعمال کی گئی ہے۔ لفظ "کُن" قرآن کی سورہ" البقرہ" کی آیت نمبر ۱۱۷ میں استعمال ہوا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اللہ فیصلہ کرلے تو وہ بس کہتا ہے کہ " ہو جا" اور ہو جاتا ہے۔

دوسرے شعر میں " لم یلد" اور لم یولد" کے الفاظ سورہ اخلاص کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ " نہ اللہ نے کسی کو جنا اور نہ ہی اللہ کو کسی نے جنا" یہ کائنات کا سب سے بڑا راز ہے کہ جب اللہ کو کسی نے پیدا نہیں کیا تو وہ کیسے تخلیق ہوا۔ شاعر اسی راز کو سمجھنے کے لیے حضور اکرمؐ سے مدد طلب کر رہے ہیں۔ معراج کی طرف دلاور علی آزر یوں اشارہ کرتے ہیں:

"تب عرشِ معلیٰ کو ملا رتبہء اورنگ
جب عرشِ معلیٰ پہ قدم آپؐ نے رکھا"

(دلاور علی آزر، نقش، ص ۹۰)

مذکورہ شعر میں واقعہ معراج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور سرورِ عالمؐ کی شان و شوکت کا بیان کیا گیا ہے۔

"سلطنت جس کو میسر ہو فراوانی کی
اسے حاجت ہی کہاں تختِ سلیمانی کی"

(دلاور علی آزر، نقش، ص ۴۰)

مذکورہ شعر میں " تختِ سلیمانی" کی تلمیح استعمال کی گئی ہے۔ سلیمانؑ، اللہ کے برگزیدہ بندے اور نبی تھے۔ اللہ نے انھیں پوری دنیا کی حکومت عطا کی اور جنوں کے لشکر ان کے قبضے میں دے دیئے۔ انھیں

پرندوں کی بولیاں سکھائی گئیں، ہوا ان کے ماتحت تھی۔ اس سب کا بیان قرآن کی سورت " النمل" میں ملتا ہے۔ شاعر کہتا ہے جو دربارِ نبیؐ میں جا بسا اسے کیا ضرورت دنیا کی حکومت اور اس کے مال و متاع کی۔

"قدم پڑے ہیں مدینے کی خاک پر کس کے
کہ چپہ چپہ زمیں طور کا علاقہ ہے"

(دلاور علی آزر، نقش، ص ۵۹)

اس شعر میں طور کی تلمیح استعمال کی ہے۔ طور وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰؑ اللہ سے ہم کلام ہوتے اور اسی پہاڑ پر اللہ نے موسیٰؑ کے لیے اپنی تجلی نازل فرمائی۔ جیسے طور اللہ کی تجلی کا مظہر ہے ایسے ہی مدینہ جلوہء رسول اکرمؐ کا مظہر ہے۔ صرف ایک لفظ کے استعمال سے کئی اوراق کی داستان بیان کر دی ہے۔

دلاور علی آزر نے "صدائے کن"، "بیاضِ خدا"، "پسِ لم یلد"، "سرِ لم یولد"، "رتبہء اورنگ"، "تختِ سلیمانی" اور "طور کا علاقہ" جیسی قرآنی تلمیحات کے ذریعے نہ صرف اپنے کلام میں معنوی حسن اجاگر کیا بلکہ کلام کو فنی اعتبار سے بھی وقار بخشا۔ قرآنی تلمیحات کے استعمال سے دلاور علی آزر کے نعتیہ لغت میں اردو کے ساتھ عربی الفاظ و تراکیب کا خوب صورت اضافہ ہوا۔

- ## احادیثی تلمیحات:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال کو اصطلاحِ مذہب میں حدیث کہا جاتا ہے۔ اس کی اصل "السنۃ" ہے، یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ یا اسوہ۔ اردو زبان میں اسے حدیث کا نام دیا جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں رونما ہونے والے ایسے تمام واقعات جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہوئے ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے متعلق مثبت یا منفی کسی قسم کا کوئی حکم صادر نہیں فرمایا تو اس خاموشی کو بھی حدیثِ رسولؐ ہی میں شمار کیا جاتا ہے۔

اعلانِ نبوت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کا عرصہ تئیس برس ہے۔ اس دورانیے میں پیش آنے والے واقعات و حادثات اور خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہزاروں افعال و اقوال کو صحابہ کرام نے اپنے دلوں میں محفوظ کر لیا۔ یہ سرمایہ نسل در نسل منتقل ہوا اور بعد میں ذخیرۂ احادیث کی کتب میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔ ذخیرۂ حدیث کی چھے بڑی کتابیں ہیں، جنھیں عرفِ عام میں "صحاح ستہ" کہتے ہیں۔ ان میں سے اولیت کا درجہ امام بخاری کی کتاب " صحیح البخاری" کو حاصل ہے۔ دیگر کتبِ حدیث میں

"صحیح المسلم"، "سنن ابو داؤد"، "سنن ابنِ ماجہ"، "نسائی" اور "ترمذی" شامل ہیں۔ دیگر کتبِ احادیث کی اہمیت بھی اپنی جگہ تسلیم ہے لیکن یہ چھے کتب احادیثِ نبویؐ کے حوالے سے بہت اہم ہیں۔ ان کتب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال اور صحابہ کرام کے ہزاروں واقعات کا ایک بڑا ذخیرہ محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی عقائد، تعلیمات، احکامات اور غزوات کے ان گنت موضوعات محفوظ ہیں۔ ان کتب میں درج ہر حدیث، ہر واقعہ اسناد کے تسلسل سے ثابت شدہ ہے۔ اس لیے ذخیرۂ احادیث تلمیحات کے لیے ایک قیمتی خزانہ اور معتبر مآخذ ہے۔ شعرا نے اس سے خوب استفادہ کیا ہے اور اپنے کلام کو ان کی روشنی سے منور کیا ہے۔ ڈاکٹر مصاحب علی صدیقی لکھتے ہیں:

"۔۔۔ کسی حدیث کو یا حدیث کے مفہوم کو تلمیح کی شکل میں استعمال کرنے سے
حدیث کی سند مسلسل اس تلمیح کے لیے بھی سند کا کام دے گی اور تلمیح کا درجہ اعتبار
بڑھ جائے گا۔ "[۲۰]

احادیثِ نبویؐ کے سہارے کے بنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس کا بیان اور آپ صلی اللہ علیہ وآلی وسلم کی تعلیمات کی تبلیغ ممکن نہیں۔ لہٰذا شعرائے نعت اپنے کلام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال اور احکامات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اس اشارے کو ہم احادیثی تلمیح کہتے ہیں۔ ایسی تمام تلمیحات جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی قول، فعل یا حکم کی طرف اشارہ کیا جائے، احادیثی تلمیحات کی ذیل میں آئیں گی۔

ریاض مجید:

نعتِ نبی ہو اور رسولؐ کے اقوال وافعال کا حوالہ نہ دیا جائے یہ ممکن نہیں۔ نعت میں ہمیں جابجا رسولؐ کے اقوال وافعال کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ نعت توصیفِ رسول کا نام ہے اور کسی کی توصیف اس کے اقوال وافعال کے حوالہ کے بغیر ادھوری ہی رہتی ہے۔ ریاض مجید کے کلام میں نبیؐ کے افعال کا حوالہ ان کے پیارے صحابہ کے تذکرے کے ساتھ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ حدیث کی کتب میں درج دیگر واقعات جو حضورؐ کے صحابہ سے منسوب ہیں، ان کا حوالہ بھی ملتا ہے جیسے حضرت اویس، حضرت بلال اور حضرت کعب بن زبیر کا حوالہ:

"اویس انداز کرنا ہے بسر یہ عرصۂ نسبت
تکلم کم سے کم اور جذبہ بیش از بیش کرنا ہے"

(ریاض مجید، سید نا رحیم، ص ۸۱)

"جو لحن آج بھی پرسوز ہے مؤذن کا
یہ فیضِ سوز، بلالی اذان سے ملتا ہے"

(ریاض مجید، سیدنا رحیم، ص ۱۰۸)

"ہے اس نبی کے سایۂ رحمت کی آرزو
جو کعب بن زبیر کو چادر عطا کرے"

(ریاض مجید، سیدنا رحیم، ص۱۱۰)

پہلے شعر میں " اویس " کی تلمیح لائی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ زندگی " اویس انداز" یعنی اویس کی طرح گزارنی ہے۔ سو یہ جان لینا ضروری ہے کہ اویس دراصل ہیں کون؟ اویس، یمن کے رہنے والے تھے، جب حضور اکرم ﷺ کا پیغام ان تک پہنچا تو انھوں نے اسلام قبول کیا اور حضورؐ سے ملاقات کی آرزو ان کے دل میں پیدا ہوئی لیکن ماں کی بیماری کے سبب آپؓ سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں کر سکے اور تمام عمر اسی تڑپ کے ساتھ گزار دی۔ اویس قرنی کی فضیلت یہ ہے کہ رسولؐ نے حضرت علی اور حضرت عمر کو ان کی نشانی بتا کر کہا کہ جب وہ تمھیں ملیں تو ان سے اپنے حق میں دعا کروانا کہ اللہ ان کی دعا کو رد نہیں کرے گا۔

دوسرے شعر میں " بلالی اذان" کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت بلال حبش کے رہنے والے تھے ۔ قبولِ اسلام سے پہلے غلام تھے اور اسلام کی قبولیت کے وقت بہت مشکلات برداشت کیں لیکن پیچھے نہ ہٹے۔ حضور اکرمؐ نے انھیں اذان کے لیے مقرر کیا اور فتح مکہ کے بعد جب پہلی بار کعبہ میں اذان دی گئی تو حضرت بلال نے حضورؐ کے حکم پر کعبہ کی چھت پر جا کر اذان دی۔

تیسرے شعر میں " کعب بن زبیر" کی تلمیح لائی گئی ہے۔ کعب بن زبیر شاعر تھے اور قبولِ اسلام سے قبل حضور اکرمؐ اور حضرت ابو بکر صدیق کے لیے گستاخانہ اشعار کہے لیکن قبولِ اسلام کے وقت حضور اکرمؐ کی شان میں ایسا قصیدہ لکھا کہ حضورؐ نے خوش ہو کر انھیں اپنی چادر عطا کی۔ متذکرہ بالا تمام تلمیحات سے شاعر نے اپنے کلام میں ابلاغ کی روح پھونکی ہے۔

"شیخین قرب یاب ہیں بعدِ وصال بھی
اللہ رے دل نوازئ پہلوئے مصطفیٰ"

(ریاض مجید، سیدنا رحیم، ص ۸۹)

اس شعر میں شیخین کی تلمیح حضرت ابو بکرؓ صدیق اور حضرت عمرؓ فاروق کے لیے لائی گئی ہے جو کہ حضور اکرمؐ کے مزارِ اقدس میں لحدِ نبویؐ کے دائیں اور بائیں مدفون ہیں۔ ان پر حضورؐ کا ایسا کرم ہوا کہ وصال کے بعد بھی اپنی قربت سے مشرف کیا۔

"آخری خطبہ جہاں بھر کے دساتیر کی روح
دے گئے ہم کو وہ قرآنِ شیم جاتے ہوئے"

(ریاض مجید، سیدنا رحیم، ص ۱۱۹)

اس شعر میں خطبۂ حجتہ الوداع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ خطبہ دنیا بھر میں اخلاقیات وانسانیت پر دیا گیا سب سے اہم اور جامد خطبہ ہے۔ یہ خطبہ حضور اکرمؐ نے اپنے وصال سے کچھ عرصہ قبل مکہ میں حج کے موقع پر دیا تھا۔ اسی خطبے کو شاعر نے تمام جہان کے خطبوں کی روح قرار دیا ہے۔

"حرا ہو، ہجرتِ طیبہ ہو، فتحِ مکہ ہو
وہ عجز و عزم و سخا کی نظیر سب کے لیے"

(ریاض مجید، سیدنا رحیم، ص۶۹)

مذکورہ شعر میں تین تلمیحات کا ذکر ہوا ہے۔" حرا" ،" ہجرت" اور" فتحِ مکہ" ۔ حرا کی غار میں حضور اکرمؐ پر کلامِ الٰہی نازل ہوا اس کے باوجود تمام عمر عجز وانکساری سے بسر کی۔" ہجرتِ طیبہ" کا واقعہ عزم و استقلال کی عظیم مثال ہے، نبوت کے تیرہویں برس حضور اکرمؐ نے اللہ کے حکم پر مکہ سے مدینہ ہجرت کی۔ اپنا خاندان، مال سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر بے سروسامانی کے عالم میں مدینہ پہنچے لیکن دعوتِ حق کا کام نہیں روکا۔" فتحِ مکہ" کے موقع پر حضورؐ ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ مکہ میں وارد ہوئے۔ بجائے اس کے کہ مکہ والوں سے ان کے ظلم و ستم کا بدلہ لیتے، عام معافی کا اعلان کر دیا۔ یہاں تک کہ اپنے محبوب چچا حضرت حمزہ کے قاتل کو بھی معاف فرما دیا اور دین اسلام اور اپنے جانی دشمنوں کے لیے عام معافی کا اعلان کیا۔

نعت کے دو اہم مآخذ ہیں، قرآن اور حدیث۔ نعتیہ شاعری میں حضور سرورِ عالم کی سیرت کے بیان کے لیے احادیث کا سہارا لیا جاتا ہے۔ بعض اوقات شاعر صرف احادیث سے مفاہیم اخذ کرنے کی بجائے، اپنے کلام میں احادیثی تلمیحات کا استعمال بھی کرتا ہے۔ جس سے نعتیہ لغت کی لفظیات میں اضافے کے ساتھ ساتھ شعر کے معنی و مفاہیم میں وسعت بھی پیدا ہوتی ہے۔ ریاض مجید کی نعت میں احادیثی تلمیحات کا استعمال جہاں سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عکاسی کرتا ہے، وہیں ان تلمیحات کے ذریعے کلام کی معنوی وسعتوں

اور ظاہری حسن میں اضافہ بھی کرتا ہے۔ قرآنی تلمیحات کی طرح احادیثی تلمیحات نے بھی ریاض مجید کے نعتیہ لغت میں ذخیرہ الفاظ کا اضافہ کیا۔ "دل نوازیِ پہلوئے مصطفی" اور "قرآنِ شیم" ایسی تراکیب ہیں جن کا نعتیہ شاعری میں استعمال بہت کم کیا جاتا ہے۔ ایسی تراکیب کے نادر استعمال سے ریاض مجید نے اپنے نعتیہ کلام میں حسن وزیبائش اور بلاغت کے عناصر اجاگر کیے ہیں۔

عزیز احسن:

عزیز احسن کے کلام میں قرآنی تلمیحات کے مقابلے میں احادیثی تلمیحات کا بیان قدرے کم ہے۔ چند ایک اشعار ہیں جن میں کسی حدیث کی طرف اشارہ یا حضورؐ کے کسی فعل یا کسی صحابی کا تذکرہ ملتا ہے۔ مثلاً حضور اکرمؐ کی تخلیق سے متعلق یوں اشارہ کرتے ہیں:

"نورِ احمد کی اس دم ہوئی گفتگو
جب کہ لوح و قلم کی نہ تھی گفتگو"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزز احسن، ص ۵۵۹)

متذکرہ بالا اشعار میں حضور اکرمؐ کے تخلیقِ اول ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ امام قسطلانی نے "المواھب الدنیہ" میں ایک روایت امام عبد الرزاق سے اور انھوں نے حضرت جابر انصاری سے روایت کی ہے جو یوں ہے:

> "میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! مجھے بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کیا چیز پیدا فرمائی؟ حضورؐ نے فرمایا: اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔ پھر وہ نور مشیتِ ایزدی کے مطابق جہاں چاہتا سیر کرتا۔ اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت تھی نہ دوزخ، نہ فرشتہ تھا، نہ آسمان تھا نہ زمین، نہ سورج تھا نہ چاند، نہ جن تھا اور نہ انسان۔ " (۲۱)

متذکرہ بالا اشعار میں اسی حدیثِ مبارکہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

"میرے سرکارؐ نے ان کو بھی دعائیں دی تھیں
سنگ ہاتھوں میں جو طائف کے ستم گر لائے"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص ۷۰۷)

اس شعر میں طائف کی تلمیح استعمال کی گئی ہے۔ " صحیح البخاری" میں ہے کہ جب آپؐ طائف کے سردار کے پاس دعوتِ حق کے لیے گئے تو اس نے دعوت رد کر دی۔ طائف کے لوگوں نے شریر بچوں کے ذریعے آپؐ پر سنگ ریزے برسائے یہاں تک کہ آپؐ کے نعلین مبارک بھی خون سے بھر گئے۔ اس پر جبرائیل آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اللہ نے پہاڑوں کا فرشتہ آپ کے پاس بھیجا ہے۔ آپ حکم کریں تو اس وادی کو نابود کر دے لیکن آپؐ نے اس پر طائف والوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا مانگی۔

"داد پاؤں روزِ محشر سرورِ کونین سے
خلد میں حسانِ طیبہ کی رفاقت دیکھ لوں"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص ۶۵)

حضرت حسان بن ثابت دربارِ نبویؐ کے شاعر تھے۔ آپ کے لیے " شاعرِ دربار" کی تلمیح بھی استعمال کی جاتی ہے۔ حضرت حسان ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ رسولؐ نے خود ان سے اشعار لکھوائے اور ان کے اشعار حضور اکرمؐ بڑے شوق سے سنتے تھے۔ حضرت حسان کو دنیائے نعت کا تاجدار تسلیم کیا جاتا ہے۔ بخاری شریف میں ہے۔ ترجمہ:

"میں تمھیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ کیا تم نے رسولؐ کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا تھا کہ اے حسان ! اللہ کے رسول کی طرف سے (مشرکوں کو اشعار میں) جواب دو اور اے اللہ ! حسان کی روح القدس کے ذریعہ مدد کر۔ ابوہریرہ نے فرمایا، ہاں میں گواہ ہوں، بے شک میں نے حضورؐ سے یہ سنا ہے۔" (۲۲)

اردو کی نعتیہ شاعری میں ہمیں "حسان" کی تلمیح بہت زیادہ دکھائی دیتی ہے۔

عزیز احسن نے احادیثی تلمیحات کا استعمال بہت کم کیا، البتہ احادیثی تلمیح کے ذریعے وہ اپنے کلام میں ایک خاص قسم کی کیفیت پیدا کرتے ہیں اور کلام میں سوز و گداز کا عنصر پیدا کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ "حسانِ طیبہ کی رفاقت" کے ذریعے انھوں نے کلام میں ذو معنویت پیدا کی ہے۔ اس سے مراد طیبہ کے حسان بھی ہو سکتے ہیں اور شعر کی تفہیم لفظ "طیبہ" کے اصل معنی کے ساتھ بھی کی جا سکتی ہے۔

صبیح الدین رحمانی:

صبیح الدین رحمانی کے کلام میں ہمیں احادیثی تلمیحات میں سے سب سے زیادہ تلمیح "حسان" کا ذکر ملتا ہے۔ ایک نعت گو ہونے کی حیثیت سے فنِ نعت گوئی میں صبیح الدین رحمانی کو سب سے زیادہ محبوب حضرت حسان ہیں۔ وہ بار بار ان کا ذکر کرتے ہیں اور ان سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہیں؛

"وہ شوق، نہ وہ ذوق، نہ وہ علم ، نہ وہ فکر
کس طرح ہوں میں پیروِ حسانِ مدینہ"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین، ص ۹۰)

" حسان کے صدقے میں صبیح جگر افگار
بن جاؤں گا میں نائبِ حسان کسی دن "

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین، ص ۹۶)

"نعت گوئی کہاں اور کہاں میں صبیح
صرف حسان کی پیروی ہو گئی"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین، ص۹۸)

"دونوں عالم میں نہ ہو کیوں مری توقیر صبیح
خاص نسبت ہے مجھے حضرتِ حسان کے ساتھ"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین، ص۱۰۲)

متذکرہ بالا تمام اشعار میں " حسان" کی تلمیح استعمال کی گئی ہے جس کی توضیح کے بنا ان اشعار کو سمجھنا مشکل ہے۔ حضرت حسان کون ہیں اور ان کی پیروی کیوں کی جانی چاہیے اس کی توضیح کیے بنا ان اشعار کا مفہوم بے معنی ہے۔ اس تلمیح کو ہم گزشتہ اوراق میں بیان کر چکے ہیں۔

"مرجان نہ یاقوت نہ لعلِ یمنی مانگ
اللہ سے جذباتِ اویسِ قرنی مانگ"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین، ص۲۱۵)

اس شعر میں " اویس قرنی" کی تلمیح استعمال ہوئی ہے جسے سمجھے بنا کلام کا ابلاغ نہیں ہو سکتا اور جان لیں تو اس ایک تلمیح میں جہانِ معنی قید ملے۔ اویس قرنی کے جذبات کا بیان پہلے ہو چکا ہے یہاں بھی انھی جذبات کی طلب کی تاکید کی جا رہی ہے۔

صبیح الدین رحمانی کی آزاد نعتیہ نظموں میں بھی ہمیں تلمیحات کا بیان ملتا ہے۔ ان کی نظم " ایک ادا" میں غزوہ خندق میں حضور اکرمؐ کے اپنے خالی پیٹ پر پتھر باندھنے کی طرف بڑی خوب صورتی اور مہارت سے اشارہ کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ توجیہہ بھی بیان کہ کعبہ میں جو" حجرِ اسود" جڑا ہے تو یہ بھی حضور اکرمؐ کی تقلید میں، غزوہ خندق میں مسلمانوں کے لشکر کی تعداد کفار سے بہت کم تھی اس لیے ہر طرف بڑی بڑی خندقیں کھودی گئیں اور اس کام میں حضور اکرمؐ بھی بنفسِ نفیس شامل تھے۔

ایک اور نظم " انسانیت کے سب سے بڑے معمار" میں حضور اکرمؐ کو لطف و خیر کے معمار سے تعبیر کرتے ہوئے ان کے ایک عملِ خیر یعنی غلاموں کو آزاد کرانے کی طرف اشارہ کیا۔ حضورؐ نے خود ایک خطیر رقم کے عوض غلام آزاد کروائے اور آپؐ کی تقلید میں آپؐ کے صحابہ نے بھی یہی کچھ کیا۔

قرآنی تلمیحات کی طرح احادیثی تلمیحات کے ذریعے بھی صبیح الدین رحمانی نے اپنے نعتیہ لغت میں عربی الفاظ و تراکیب کا خوب صورت اضافہ کیا ہے۔ "پیروِ حسانِ مدینہ"، "نائبِ حسان"، "جذباتِ اویسِ قرنی" ایسی تلمیحات کو ترکیب کے قالب میں پیش کر کے شاعر نے کلام کے ظاہری و معنوی حسن میں اضافہ کیا ہے۔ صبیح الدین رحمانی حضرتِ حسان کی تلمیح اس قدر عقیدت و محبت سے برتتے ہیں کہ قاری خود کو اسی محبت و عقیدت میں سرشار محسوس کرتا ہے۔

مقصود علی شاہ:

مقصود علی شاہ کے کلام میں ہمیں مختلف احادیث کی طرف اشارے ملتے ہیں اور مختلف اصحابِ رسولؐ کا تذکرہ بھی۔ حضرت حسان اور بلال کی تلمیح استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"حسان کے جلو میں عقیدت کی دھوم ہے
باغِ جناں میں محفلِ مدحت کی دھوم ہے"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص ۱۱۳)

اور

" تری طرف ہی تو اٹھتی تھی ہر نگاہِ ادب
اذاں میں لیتے تھے جب بھی بلال اسم تراؐ "

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص۶۴)

حضرت حسان شاعرِ دربار اور حضرت بلال مؤذنِ رسول تھے، حسان چوں کہ باغِ جنت میں ہوں گے، لہٰذا وہاں بھی محفلِ نعت سجی ہو گی اور بلال زمانۂ نبوی میں اذان دیتے تھے تو یقیناً وہ کلمات جو اذان میں حضور اکرمؐ کی رسالت کی گواہی کے ہیں ان پر صحابہ کا جذبۂ محبت اور بڑھ جاتا تھا۔

"میثاق تو تھا آپؐ کی نصرت کا وظیفہ
مجلس ہوئی تھی آپ کے مقصد سے مرصع"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص۶۸)

اس شعر میں میثاق سے مراد " میثاقِ مدینہ " ہے، جب حضور اکرم ﷺ مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو انصارِ مدینہ اور مہاجرینِ مکہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا، جو اخوت و بھائی چارے کی عظیم مثال بن گیا اور ساتھ ہی ایک مسجد تعمیر کی جسے مسجدِ نبوی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس میں مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے حضور اکرمؐ مجالس کا اہتمام کرتے تھے۔

"اسی لیے تو ضروری ہے قبل و بعدِ دعا
حروفِ عجز کا خود پشت باں ہے نخلِ درود"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص ۵۶)

"السلسلۃ الصحیحہ " میں حضرت علی سے روایت ہے۔" جب تک نبیؐ پر درود نہ پڑھا جائے ہر دعا روک لی جاتی ہے۔" [۲۳] یعنی ہر دعا سے پہلے اور بعد میں درود پڑھنا لازم ہے اور اس شعر میں اسی روایت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مقصود علی شاہ نے احادیثی تلمیحات کے ذریعے اپنے کلام کے حسن و زیبائش میں اضافے کے ساتھ ساتھ منظر نگاری اور کیفیت نگاری بھی کی ہے۔ "حسان کے جلو میں عقیدت کی دھوم" کو "باغِ جناں میں محفلِ مدحت کی دھوم" بنا کر اس قدر خوب صورت پیرائے میں پیش کیا کہ قاری خود کو اسی مطاہر ماحول کا حصہ جانے۔"نخلِ دورد" کو بہ طور ردیف اس خوب صورت انداز سے لائے کہ یہ لفظی تکرار کلام کے حسن کو چار چاند لگا دیتی ہے اور کلام میں موسیقیت کا عنصر بھی شامل ہو جاتا ہے۔

شاکر القادری:

شاکر القادری کے کلام میں عہدِ نبویؐ میں آں رسالت مآبؐ کے روبرو رونما ہونے والے واقعات اور آپؐ کے افعال کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ جیسے چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ یوں درج کرتے ہیں:

" سلام جنبشِ انگشت مے شکن پہ سلام
درود دستِ سخا پر ہزار بار درود"

(شاکر القادری، چراغ، ص۵۳)

"یہ دیدۂ عالم ابھی حیران ہے شاکر
اک جنبشِ انگشت پہ ہوتا ہے فدا چاند "

(شاکر القادری، چراغ، ص۱۰۶)

مذکورہ دونوں اشعار میں چاند کے دو ٹکڑے ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ۳۸۶۸ میں درج ہے۔" کفارِ مکہ نے رسول کریمؐ سے کسی نشانی کا مطالبہ کیا تو آں حضرتؐ نے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیئے، یہاں تک کہ انھوں نے حرا پہاڑ کو ان دونوں ٹکڑوں کے بیچ میں دیکھا۔" [۲۴] متذکرہ بالا اشعار میں شاعر نے اس عظیم الشان معجزے کو چند الفاظ میں سمیٹ دیا، اسے کلام کی بلاغت کہتے ہیں۔ مدینے میں حضور اکرم ﷺ کی آمد کی طرف یوں اشارہ ملتا ہے۔

" در پئے جان ہو مکہ تو مدینے میں تری
طلع البدر علینا سے پذیرائی ہو"

(شاکر القادری، چراغ، ص۸۹)

" طلع البدر علینا" وہ گیت ہے جو حضور اکرمؐ کی مدینہ آمد پر گایا گیا۔ بعض محدثین کے مطابق یہ گیت مدینہ کی بچیوں نے دف کی تھاپ پر گایا تھا۔ اس کا مطلب ہے ہم پر وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔

"پتھر شکم پہ، نعرۂ تکبیر لب پہ ہے
دیکھو تو استقامت و ہمت حضورؐ کی"

(شاکر القادری، چراغ، ص۲۶)

"پتھر شکم پہ" غزوۂ خندق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ پیٹ پر پتھر باندھ کر بھی جہاد کے لیے پیش پیش ہیں۔

"ابوذری مرا شیوہ قرار پایا ہے
مری نظر میں ہیں بے نور سیم و زر کے چراغ"

(شاکر القادری، چراغ، ص۵۸)

حضرت ابوذر کا تعلق ایک رہزن قبیلے سے تھا، آپ بھی اسلام قبول کرنے سے پہلے اسی کام میں مگن تھے لیکن جب اسلام قبول کیا تو وہ سارے کام ترک کر دیئے اور اپنے پاس جو مال و متاع تھا سب اللہ کے دین کے لیے وقف کر دیا، تمام زندگی یہی طور رہا جو مال ہو تا صدقہ یا خیرات کر دیتے۔ تمام عمر فقر و درویشی کی حالت میں گزاری اور فقیر یا درویش جو اپنا سب کچھ اللہ سے منسوب کر دیتا ہے اسے دنیا کے مال اسباب سے کیا لینا دینا۔

" تیری مرضی ہو اگر لوٹ کے آئے سورج
سنگ ریزوں کو عطا قوتِ گویائی ہو"

(شاکر القادری، چراغ، ص۹۰)

اس شعر میں دو تلمیحات کا استعمال ہوا ہے اور دونوں کو حضور اکرم ﷺ کی مرضی و منشا سے منسوب کیا گیا ہے۔ " سورج کا پلٹنا" اور " سنگ ریزوں" کو قوتِ گویائی عطا ہونے کا ذکر احادیث کی کتب میں ملتا ہے۔ ایک دفعہ حضور اکرمؐ، حضرت علی کے زانوں پر سر رکھ کر سو رہے تھے کہ سورج غروب ہونے لگا اور حضرت علی کی نمازِ عصر قضا ہونے لگی۔ جب حضورؐ کی آنکھ کھلی تو آپؐ نے سورج کی طرف اشارہ کیا اور سورج واپس پلٹ آیا اس طرح حضرت علی کی نماز قضا ہونے سے بچ گئی۔ سنگ ریزوں کو قوتِ گویائی عطا ہونے کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ ابو جہل نے ایک مرتبہ حضورؐ سے کہا کہ اگر آپؐ بتا دیں کہ میری مٹھی میں کیا ہے تو میں آپؐ کو اللہ کا نبی تسلیم کر لوں گا۔ اس کی مٹھی میں سنگ ریزے تھے حضورؐ نے انھیں حکم دیا تو انھوں نے آپؐ کی رسالت کی گواہی دی لیکن ابو جہل پھر بھی ہدایت نہ پا سکا۔

" بختِ بیدار نہ کیوں اس کی قدم بوسی کرے
جس کو بستر پہ ترے چین سے نیند آئی ہو"

(شاکر القادری، چراغ، ص۹۰)

اس شعر میں شبِ ہجرت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جب حضور اکرمؐ نے ہجرت فرمائی تو حضرت علی کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا۔ حضرت علی کہتے ہیں کہ وہ میری زندگی کی واحد رات تھی کہ جس رات میں چین کی نیند سویا۔

قرآنی تلمیحات کی طرح شاکر القادری کی احادیثی تلمیحات بھی نادر ہیں۔ وہ تلمیحات کو تراکیب کی صورت میں ایسے خوب صورتی سے استعمال کرتے ہیں کہ کلام بلیغ ہونے کے ساتھ ساتھ شعری حسن سے بھی روشناس ہونے پائے۔ شاکر القادری نے جہاں "جنبشِ انگشتِ مہ شکن"، "دستِ سخا" اور "طلع البدر علینا" ایسی تلمیحات سے اپنی نعتیہ لفظیات میں اضافہ کیا ہے، وہیں چاند کے دو حصوں میں تقسیم ہونے والے واقعہ کی خوب صورت منظر نگاری بھی کی ہے۔

دلاور علی آزر:

دلاور علی آزر کی شاعری میں ہمیں حضور اکرمؐ کے تخلیق ہونے، چاند کے دو ٹکڑے ہونے اور سنگ ریزوں کے کلمہ پڑھنے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

"بساطِ وقت لپیٹی گئی تو راز کھلا
ازل ابد کا سرا مصطفیؐ کے ہاتھ میں ہے"

(دلاور علی آزر، نقش، ص٦٦)

"اپنا تو اس حدیث پہ قائم شعور ہے
جو سب سے پہلے خلق ہوا ان کا نور ہے"

(دلاور علی آزر، نقش، ص١٠٦)

ان دونوں اشعار میں بڑے خوب صورت اور منفرد انداز میں حضور اکرمؐ کے نور کی تخلیق (جس کا بیان پہلے ہو چکا) کی طرف اشارہ کیا گیا۔ " ازل ابد کا سرا مصطفیؐ کے ہاتھ" میں ہونے سے مراد یہ ہے کہ مخلوق میں سب سے پہلے آپؐ ہی خلق کیے گئے۔ پھر آپؐ کو آخری نبی بنا کر بھیجا گیا یعنی آغاز بھی آپؐ سے اور انجام بھی آپؐ پر ہی کیا۔

"دو لخت ہوتے ہوئے ماہتاب کا اعزاز
یہ رمزِ حکمِ خدا مصطفٰی کے ہاتھ میں ہے"

(دلاور علی آزر، نقش، ص۶۹)

" دو لخت ہوتے ہوئے چاند" سے مراد چاند کا دو ٹکڑے ہونا ہے اور یہ اللہ کا راز ہے جو حضور اکرم ﷺ جانتے ہیں ان کے سوا کوئی نہیں۔

دلاور علی آزر نے احادیثی تلمیحات کا استعمال کم کیا ہے لیکن ان تلمیحات کو اس مہارت سے تراکیب میں بدلا کہ کلام بلیغ ہونے کے ساتھ ساتھ حسن و زیبندگی کا مظہر بن گیا۔ "ازل ابد کا سرا مصطفی کے ہاتھ میں ہے" یا "رمزِ حکمِ خدا مصطفی کے ہاتھ میں ہے" سے ایسی خوب صورت منظر نگاری کی ہے گویا ازل ابد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک میں سما گئے ہوں۔

ب۔ تاریخی تلمیحات:

لفظ تاریخ عربی زبان کا مصدر ہے۔ اس کے معنی کسی واقعے یا امر کی نشاندہی کے ہیں۔ اصطلاح میں تاریخ عہدِ ماضی کے حالات، واقعات اور حادثات کے بیان کا نام ہے۔ "اردو لغت" میں اس کے معنی یوں تحریر کئے گئے ہیں:

"۱۔ کسی چیز یا واقعے کے ظہور کا وقت۔

۲۔ کسی امرِ عظیم کے وقت کا تعین

۳۔ وہ علم جس میں گزشتہ واقعات اور سیر سے بحث کی جاتی ہے۔" (۲۵)

یعنی تاریخ نام ہے کسی واقعے یا حادثے کی طرف اشارہ کرنے کا، کسی واقعہ کے وقت کے تعین کا۔ انگریزی میں اس کے لیے لفظ ہسٹری کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ اس کا تعلق وارداتِ ماضی سے ہے اور حال سے بھی۔ موجودہ لمحے میں انسان جو کچھ کر رہا ہے یا جو واقعات رونما ہو رہے ہیں، آئندہ لمحے وہ سب تاریخ کا حصہ ہوں گے۔ کسی امر، واقعہ یا حادثہ کو ہم تاریخی متن کا نام دیتے ہیں۔

ادب اور معاشرے کا باہمی تعلق بہت پختہ ہے انھیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ معاشرہ ادب سے ہے اور ادب معاشرے سے، دونوں کا باہم چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ادب کو معاشرے کا عکاس یا آئینہ کہا جاتا ہے یعنی ادب ایک مخصوص معاشرے اور اس میں بسنے والے لوگوں اور مخصوص تہذیب کا نمائندہ ہے۔ کیوں کہ ادیب یا شاعر اپنے ماحول یا معاشرے سے اثر قبول کیے بنا نہیں رہ سکتا۔ وہ ایک مخصوص وقت میں رونما ہونے والے واقعات کو ادب کا حصہ بناتا ہے۔ گویا ادیب ایک آئینہ ہے اور

قاری اس کی تحریر کی مدد سے اس کے عہد میں رونما ہونے والے واقعات اور اس عہد کے سیاسی و سماجی منظر کو دیکھ پاتا ہے۔ ادب کبھی بھی معاشرے کے بغیر پروان نہیں چڑھ سکتا۔ ادب کی تخلیق دراصل معاشرتی واردات کا ردِ عمل ہے۔ ہر فن پارہ کسی نہ کسی حادثے یا واقعے کے نتیجے میں تخلیق پاتا ہے۔ یعنی ہر تخلیق کے پسِ منظر میں کچھ خاص محرکات ہوتے ہیں جن کی وجہ سے ادیب کے ذہن میں خیال پیدا ہوتا ہے اور قلم حرکت میں آتا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> "ادب کی تخلیق میں کئی عوامل کی کار فرمائی ہوتی ہے۔ تخلیق کار کا قلم اٹھا کر مائلِ تخلیق ہونا میکانکی نہیں بلکہ اس کے تخلیقی شعور کو مخصوص جہت عطا کرنے والا عمل کافی سے زیادہ پیچیدہ ہوتا ہے۔ " (۲۶)

ادب اور ادیب معاشرے میں رونما ہونے والے حوادث یا واقعات سے اثرات قبول کیے بنا نہیں رہ سکتے۔ ادیب ایک نہایت حساس طبقے سے تعلق رکھتا ہے وہ کسی بھی واقعہ یا حادثہ یا کسی معاشرتی و سماجی تبدیلی کے اثرات عام عوام سے زیادہ اور جلدی قبول کرتا ہے اور اثرات کی قبولیت کے بعد جب وہ قلم اٹھاتا ہے تو وہ اس واقعہ یا حادثہ کی طرف کچھ نہ کچھ اشارہ ضرور کرتا ہے اور اس طرح ادب کے ذریعے وہ واقعات تاریخ کا حصہ بن جاتے ہیں۔ کسی بھی ادب پارے کی مکمل تفہیم کے لیے ہمیں اس مخصوص عہد کے سیاسی و سماجی اور معاشرتی حالات سے آشنائی حاصل کرنا لازم ہے اور اسی کو تاریخ کا نام دیا جاتا ہے۔ ادب انسانی تاریخ کا آئینہ ہے۔ ایک ادیب کبھی تاریخ سے روگردانی نہیں کر پاتا۔ اور جب وہ تاریخی واقعات و حادثات کی طرف محض ایک اشارہ کرتے ہوئے اپنے کلام میں بلاغت کا حسن اجاگر کرتا ہے تو اسے ہم تاریخی تلمیح کا نام دیتے ہیں۔ تاریخی تلمیحات سے متعلق ڈاکٹر مصاحب علی صدیقی لکھتے ہیں:

> "تاریخی تلمیحات وہ تلمیحات ہیں جو تاریخ سے اخذ کی گئی ہوں، جو واقعیت اور اصلیت پر مبنی ہوں۔۔۔ تاریخی تلمیحات کے ساتھ جو کہانیاں منسوب کی جاتی ہیں، ان کو محض کہانیاں یا فرضی افسانہ نہ سمجھنا چاہیے۔ بلکہ وہ حقیقی اور اصل مرقعے ہیں جنھوں نے تاریخ کے سائے میں پرورش پا کر حیاتِ ابدی حاصل کر لی ہے۔ " (۲۷)

تاریخی تلمیحات کی متذکرہ بالا تعریف سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ تاریخی تلمیحات میں جن واقعات و حادثات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، وہ حقیقی ہیں۔ ان میں تخیل کا کچھ عمل دخل نہیں۔ دراصل تاریخ، حقیقت نگاری کا ہی دوسرا نام ہے۔ جہاں کہیں تاریخ گو تخیل و مبالغہ سے کام لیتا ہے، پھر وہ واقعات تاریخ

نہیں بلکہ فرضی کہانیاں بن جاتے ہیں۔ یعنی تاریخی تلمیحات میں وہ تمام تلمیحات شامل ہوں گی، جن میں انسان کے ماضی سے متعلق کسی مشہور واقعہ یا حادثہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ ماضی کے واقعات کے علاوہ ماضی کی مشہور شخصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے جب کلام میں بلاغت کا حسن پیدا کیا جائے تو اسے بھی ہم تاریخی تلمیح کا نام دیتے ہیں۔

عزیز احسن:

عزیز احسن کے کلام میں منفرد تاریخی تلمیحات کا استعمال دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان کے کلام میں گو کہ روایتی تلمیحات ہیں لیکن نعتیہ ادب کے لیے یہ تلمیحات منفرد ہی ہیں۔ جیسے لیلیٰ و مجنوں کی تلمیح، یہ تلمیح عزیز احسن کے کلام میں بڑے خوب صورت انداز میں جلوہ فگن ہے:

"ہو لیلائے جاں کا جو محمل حضوری
ہمیشہ رہے دل کو حاصل حضوری"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص۵۵۶)

"قریۂ دیں جو خرد مندوں نے تاریک کیا
لازماً اب کسی مجنون سے روشن ہو گا"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص۲۴۷)

مجنوں اور لیلیٰ کی عشقیہ داستان کئی صدیوں سے ادبیاتِ عالم میں روایت ہوتی آ رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مجنوں ایک عرب قبیلے بنی عامر کے سردار کا بیٹا تھا اسے لیلیٰ نامی ایک خاتون سے محبت ہو گئی۔ لیلیٰ اسے نہ مل سکی تو وہ نجد کے صحرا میں دیوانہ وار زندگی بسر کرتا رہا۔ اس داستان کا حوالہ عربی و فارسی ادبیات میں بہ کثرت پایا جاتا ہے۔ اردو ادب میں بھی اس تاریخی داستان کا حوالہ جا بجا ملتا ہے لیکن اردو کے نعتیہ ادب میں اس داستان کا حوالہ بہت کم ملتا ہے۔ اول الذکر شعر میں لیلیٰ کے محمل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر اس میں حضور ﷺ کی محبت بسی ہو تو دل ہمیشہ حالتِ حضوری میں رہے۔ ثانی الذکر شعر میں خرد مندوں کے ہاتھوں چراغِ دین کے بجھنے کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا کہ اب اسے کوئی مجنوں اپنی آتشِ عشق سے روشن کرے گا۔

" سادگی ، آقا نے سکھلائی تھی امت کو مگر
ریس میں فرعون کی اب ہے یہ شوکت آشنا "

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص۶۵۶)

اس شعر میں فرعون کی تلمیح لائی گئی ہے۔ فرعون، قدیم مصر کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ یہ کسی ایک بادشاہ کا نام نہیں کیوں کہ حضرت یوسفؑ کے عہد میں فرعون مصر کا بادشاہ تھا اور حضرت موسیٰؑ کے عہد میں بھی فرعون بادشاہ تھا۔ حالانکہ ان دونوں پیغمبروں میں قریب ساڑھے چار سو سال کا فرق ہے۔ فراعینِ مصر اپنی شان و شوکت اور جاہ و جلال نیز عیش و عشرت کے سبب مشہور تھے۔ اس شعر میں اسی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ ہمارے آقاؐ تو سادگی پسند فرماتے تھے اور اسی کا امت کو درس دیا لیکن یہ امت آج کل فراعینِ مصر کی طرح عیش و عشرت اور نمود و نمائش میں پڑی ہوئی ہے۔ محض ایک لفظ " فرعون " کے استعمال نے کئی اوراق کی داستان اپنے اندر سمیٹ لی۔

"شوکتِ سنجر و سلیم ، جچتی نہیں نگاہ میں
عشقِ بلال دے گیا ایسا اک آئینہ مجھے"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص٦٤٦)

اس شعر میں تین تلمیحات کا ذکر کیا گیا ہے۔" سنجر" ،"سلیم" اور بلال" ۔ سنجر اور سلیم کی تلمیحات کا استعمال ہمیں علامہ اقبال کی شاعری میں بھی ملتا ہے۔" سنجر" ترک کا ایک بادشاہ تھا اسے سلطانِ اعظم اور سلطان احمد سنجر کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ سنجر ایک نہایت طاقت ور بادشاہ تھا اور خاندانِ سلجوق میں سب سے زیادہ نرم مزاج بھی یہی تھا۔ اس کی شان و شوکت اور عظمت و سطوت ضرب المثل ہے۔ سلیم عثمانیہ خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ یہ ۱۵۱۲ء سے ۱۵۲۰ء تک سلطنتِ عثمانیہ کا حکمران رہا ہے۔ اسی کے عہد میں حجاز مقدس کی سرزمین ترک سلطنت کا حصہ بنی۔ یہ بھی اپنی شان و شوکت اور رعب و داب کے سبب مشہور ہوا۔ تیسری تلمیح" بلال" کی تفصیل" احادیثی تلمیحات" کی مد میں بیان کی گئی ہے۔

تاریخی تلمیحات میں عزیز احسن نے ان تلمیحات کا استعمال بھی کیا جن کا تعلق خالصتاً مجاز سے ہے اور جو نعتیہ شاعری میں ناپید تھیں۔ ان تلمیحات کے ذریعے عزیز احسن نے نہ صرف اپنے نعتیہ لغت میں لفظیات کا اضافہ کیا بلکہ اردو نعتیہ لغت میں لفظیات کا بیش بہا اضافہ کیا۔ مثلاً "لیلائے جاں"، "مجنوں"، "فرعون" اور "سنجر و سلیم" ایسی تلمیحات ہیں جن کا استعمال اردو نعتیہ ادب میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ لیکن عزیز احسن نے انھیں اس قدر خوب صورت پیرائے میں استعمال کیا کہ کلام میں تقابل کی کیفیت پیدا ہو گئی۔

صبیح الدین رحمانی:

صبیح الدین رحمانی کے کلام میں ہمیں عربی و فارسی زبان کے مشہور نعت گو شعرا کی تلمیحات کا حوالہ ملتا ہے۔ جیسے بوصیری، جامی، سنائی وغیرہ۔

"ملے مجھے بھی زبانِ بوصیری و جامی
میرا کلام بھی مقبولِ عام ہو جائے"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص ۸۱)

"اس نام کی برکت سے، اس ذکرِ حقیقت سے
ہر نعت کا متوالا جامی و سنائی ہے"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص ۸۴)

متذکرہ بالا اشعار میں تاریخِ ادبیات میں سے تین شخصیات " بوصیری" ، جامی اور سنائی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ " بوصیری" کا اصل نام محمد بن سعید ہے۔ یہ ساتویں صدی ہجری کے مشہور نعت گو شاعر گزرے ہیں۔ بوصیری زبانِ عربی کے شاعر تھے۔ بوصیری کا قصیدہ" بردہ شریف" نعتیہ ادب میں بہت مقبول ہوا۔ نعتیہ ادب میں جو مقام و مرتبہ اس قصیدے کو نصیب ہوا وہ کسی اور کلام کو نہیں۔ اس سے متعلق رفیع الدین اشفاق رقم طراز ہیں:" اس قصیدے نے مسلمانوں کی تعلیم، ان کے ادب، تاریخ اور اخلاق پر نہایت گہرا اثر ڈالا ہے۔" (۲۸)

"سنائی" زبانِ فارسی کے مشہور و مقبول شاعر گزرے ہیں، انھیں حکیم سنائی کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ حکیم سنائی کو مختلف علوم پر دسترس تھی۔ سنائی کی وجۂ شہرت ان کا صدق و اخلاص اور ان کی نعتیہ شاعری ہے، سنائی غزنی، افغانستان کے رہنے والے تھے۔ سنائی نے مثنوی اور قصائد دونوں میں نعتیہ اشعار کو رواج دیا۔ حکیم سنائی نے نعتیہ مضامین کو مسلسل مباحث کی صورت دے کر نعتیہ ادب میں اس لحاظ سے اولیت کا درجہ حاصل کر لیا۔ ان کے کلام میں تصوف کا رنگ غالب ہے۔

مولانا نور الدین جامی نویں صدی ہجری کے مشہور فارسی نعت گو شاعر ہیں۔ جامی کو فارسی نعتیہ ادب کا امام تصور کیا جاتا ہے۔ مذکورہ اشعار میں انھیں تین شخصیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کلام کو بلاغت سے روشناس کروانے کی سعی کی گئی ہے۔

صبیح الدین رحمانی کے کلام میں نہ صرف نعتیہ ادب کی تاریخ کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں بلکہ ان کا کلام انسانی تاریخ کے دیگر شعبوں کی تلمیحات سے بھی مزین ہے۔ ان کی ایک شہرہ آفاق نظم " اک عالمگیر نظام " میں علم و سیاست کے شعبہ سے منسلک اہم تاریخی شخصیات " مارکس " ، لینن " ، " فرائڈ اور ہیگل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور نظم میں ان تلمیحات کے استعمال سے ایک ایسا موضوع نہایت اختصار و خوب صورتی سے بیان کیا گیا ہے جس کے بیان کے لیے اوراق کے کئی دفتر بھی کم پڑ جائیں۔

مارکس ایک معیشت دان تھا۔ اس نے سرمایہ داری نظام کے خاتمے اور پسماندہ طبقے کی فلاح کے لیے دولت کی منصفانہ تقسیم کا نظریہ پیش کیا۔ اس نظریے نے کئی ممالک میں انقلاب کی بنیاد رکھی اور دنیا بھر کے پسماندہ طبقوں کو اپنے حقوق کے حصول کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا۔ مارکس کے اس نظریے کے زیرِ اثر جہاں کئی فلاحی تنظیمیں وجود میں آئیں، وہیں ادبی تنظیموں کی بھی بنیاد رکھی گئی، جن کا منشور ادب برائے زندگی تھا۔

۱۹۱۷ء میں برپا ہونے والا انقلابِ روس بلاشبہ انسانی تاریخ کا ایک عظیم واقعہ تھا۔ انقلابِ روس تاریخ کا پہلا واقعہ تھا جب محنت کش نوجوانوں اور کسانوں نے اقتدار پر قبضہ کرتے ہوئے اجتماعی ملکیت کی بنیادوں پر ایک غیر طبقاتی سماج تعمیر کرنے کی شعوری کوشش کی۔ لینن کے بغیر انقلاب کی کامیابی ناممکن تھی۔ انقلاب سے قبل ہمیں طویل عرصے میں انقلابی پارٹی کی تعمیر کے ہر مرحلے میں لینن کا بطور نظریہ دان، سیاسی قائد اور منتظم ایک کلیدی کردار نظر آتا ہے۔

فرائڈ ایک ماہرِ نفسیات کے طور پر جانا جاتا ہے۔ فرائڈ نے تحلیلِ نفسی کا طریقہ وضع کیا۔ فرائڈ کی تحلیلِ نفسی کے طریقہ علاج میں انا اور فوق الانا کی کشمکش، لاذات کی نفسی توانائی اور جبلی خواہشات کے دباؤ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ تحلیلِ نفسی کے توسط سے وہ فرد کی لاشعوری خواہشات کو جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ فرائڈ کے مطابق جب فرد کی ناآسودہ جنسی، غیر اخلاقی خواہشات وغیرہ اس کے لاشعور میں دب جاتے ہیں تو وہ ذہنی تناؤ کا شکار ہوتا ہے۔ لاشعور کا تجزیہ اور تحلیل کرنے کے بعد یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے اور متاثرہ افراد بہتر انداز میں اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کے اہل ہو جاتے ہیں۔

ہیگل ایک خیال پرست فلسفی تھا۔ اس نے جدلیات کے تین اہم اصول؛ "مقدار کی معیار میں تبدیلی"، " نفی کی نفی" اور ”تخالفین کی وحدت اور جدوجہد“ دریافت کیے۔ ہیگل نے جدلیاتی سائنس کو تاریخ میں پہلی بار ایک جامع فلسفیانہ نظام کی شکل میں پیش کیا۔ ہیگل کے مطابق جب ایک تہذیب یا معاشرت اپنے زمانہ عروج کو پہنچتی ہے تو اس میں کچھ ایسے عناصر جنم لینا شروع ہو جاتے ہیں جو اسے روبہ زوال کرتے ہیں اور پھر پرانی تہذیب اور نئے افکار مل کر ایک نئی تہذیب کو جنم دیتے ہیں اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہتا ہے۔ ہیگل کے مطابق تغیر کا عمل مسلسل

ہے، اس کی راہ میں کچھ رکاوٹ نہیں۔ ہر وہ شے جو حقیقی ہے تغیر کے مرحلے میں ہے، اس لیے کہ اس کا مواد مخالف قوتوں پر مشتمل ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نظام متعارف کروایا، وہ قیامت تک تمام انسانیت کے لیے مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت و سیاست اور معیشت سے متعلق جو احکامات جاری کیے، ان پر عمل پیرا ہو کر ہم ایک پُر امن معاشرے کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسماندہ طبقے کی معاشی امداد کے لیے صدقہ و زکوۃ کا حکم دیا اور دولت کو ذخیرہ کرنے سے سختی سے منع فرمایا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل دنیا میں دو طرح کے نظریے پائے جاتے تھے۔ اگر آپ روحانیت چاہتے ہیں تو دنیا سے کنارہ کشی کریں اور اگر آپ سیاست کو دیکھنا چاہتے ہیں تو ملوکیت کو دیکھیں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو یہ نظریۂ حکومت دیا کہ انسان زمین کا 'مالک' نہیں بلکہ 'امین' ہے۔ کوئی چیز انسان کی اپنی ملکیت نہیں ہے بلکہ ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے۔ انسان اس کا امانت دار ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ اور حاکمیت صرف اللہ کے لیے ہے، انسان اس کے بندے اور غلام ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو حکومت سازی کا یہ نظریہ دیا: "جس نے پیدا کیا ہے، اس کی مخلوق پر حکم اسی کا چلے گا". (الاعراف ۵۴) چوں کہ انسان کو پیدا اللہ نے کیا ہے، اس لیے اس کی مخلوق پر کسی اور کا حکم نہیں چلے گا بلکہ اللہ ہی کا حکم چلے گا۔

انسان کے دل و روح کے سکون کے لیے فرائڈ کے تحلیلِ نفسی سے کہیں بہتر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو نفسیاتی مسائل سے محفوظ رکھنے کے لیے مختلف احکامات جاری کیے۔ مثال کے طور پر ابو داود میں ایک حدیث ہے: "چاند کی چودہ، پندرہ اور سولہ تاریخ کو روزہ رکھا کرو"۔ ڈاکٹر آرنلڈ نے انسانی شخصیت پر چاند کے اثرات سے متعلق تحقیق کی۔ ان کا کہنا ہے: چوں کہ زمین کی طرح انسانی جسم کا ۷۵ فی صد حصہ پانی پر مشتمل ہے اور انسان مٹی سے بنا ہے۔ تو سمندروں کی طرح انسانی جسم پر بھی چاند کی کشش کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ متذکرہ بالا تواریخ میں چاند اپنے عروج پر ہوتا ہے اور اس کی کشش سے سمندر میں طغیانی آتی ہے۔ اسی طرح انسانوں کے مزاج میں بھی اتار چڑھاؤ کے باعث انسانی ذہن شدید تناؤ کا شکار ہوتا ہے اور ایسے میں اکثر لوگ جرائم کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے کا حکم اس لیے دیا کہ روزہ ڈھال ہے، جو ہمیں نفس اور شیطان کے حملوں سے بچاتا ہے۔ روزہ حیوانی صفات و خواہشات کو کچل دیتا ہے اور انسان پُرسکون اور مطمئن ہو جاتا ہے۔

اسی طرح غصہ سے متعلق صحیح بخاری میں آتا ہے: "جب کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور اگر پھر بھی غصہ باقی رہے تو لیٹ جائے"۔ ایڈی جانز اور پیٹرسن نے دماغ کے ردِ عمل کرنے والے حصے کا مطالعہ کیا اور وہ

اس نتیجے پر پہنچے کہ جب کوئی شخص غصہ کی حالت میں کھڑا ہو تو اس کے دماغ کے ردِ عمل کرنے والے حصے فوراً متحرک ہو جاتے ہیں۔ جب کہ بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے افراد کی کیفیت اس کے بر عکس ہے۔

مغرب کا فلسفہ، نفسیات، معاشی پالیسیاں اور نظامِ حکومت؛ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نظام، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دکھائے ہوئے راستے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بنائے گئے قوانین کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امن کے پیمبر ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہجرت کے فوراً بعد جب مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت قائم کی تو ایک دستور قائم کیا۔ جس میں ایک نکتہ یہ تھا کہ آبادیوں میں امن و امان قائم رہے گا تا کہ آئندہ نسلوں کی بہترین تربیت کی جاسکے۔

نظامِ فطرت میں انسان اصل مرکز و محور ہے۔ اسے زمین پر خدا کا نائب بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اسے اختیار کی قوت اور فیصلے کی آزادی دی گئی ہے۔ نہ تو وہ مجبور ہے جیسا اسے فلسفیوں اور مذاہب نے بتایا ہے اور نہ ایسا آزاد جیسا مادیت نے اسے سمجھایا ہے۔ اسے حق و باطل میں تمیز کا مادہ دے کر اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے انفرادی حقوق کی حفاظت پر زور دیا ہے۔ نظامِ محمدیؐ میں فرد کے اساسی حقوق کو معاشرہ یا حکومت پامال کرنے کے ہر گز مجاز نہیں۔ نظامِ محمدی میں تمام امور اخلاقی نقطۂ نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بلند اخلاق کے مالک ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے بہتر وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں"۔ اس نظام میں انفرادیت اور اجتماعیت کے مابین ایک حسین توازن قائم کیا گیا ہے۔

نظامِ محمدیؐ میں زندگی کا بنیادی قانون یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے اور جہاد کرے۔ تقویٰ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو گناہوں سے محفوظ رکھے اور جہاد یہ ہے کہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جنگ کی جائے۔ نظامِ محمدی میں تعلیم کی اہمیت بھی مسلّم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم پر بہت زور دیا۔ فرمایا: "علم کی طلب ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے"۔ غزوہ بدر کے قیدیوں کو اس شرط پر رہائی دینے کا وعدہ کیا گیا کہ وہ دس دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشی زندگی کی تعمیر و ترقی کے لیے بھی ہدایات جاری کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشیات کو اخلاق سے جدا نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی تجارت کی اور دوسروں کو بھی ایمان داری سے تجارت کرنے کا حکم دیا۔ ناپ تول میں کمی بیشی سے متعلق سخت احکامات سنائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام سرمایہ دارانہ نظام سے یکسر مختلف ہے۔ کیوں کہ یہ نظام اخلاقی نقطۂ نظر سے زندگی کو بشمول معیشت کو سنوارتا ہے۔ جب کہ سرمایہ داری کا نقطۂ نظر خالصتاً مادہ پرستانہ ہے۔ غرض خاتم النبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا گیا

نظام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ جو زندگی کے ہر شعبے میں ہماری راہنمائی کرتا ہے۔ اور دنیا میں امن قائم کرنے کے لیے لازم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام رائج کیا جائے۔

مارکس، لینن، فرائڈ اور ہیگل ایسی تاریخی تلمیحات ہیں جن کا استعمال نعتیہ شاعری میں اس سے قبل نہیں ملتا۔ صبیح الدین رحمانی نے ان تلمیحات کے استعمال سے نہ صرف نعتیہ لغت میں لفظیات کا اضافہ کیا بلکہ ان تمام شخصیات کے پیش کردہ نظام کا نظامِ محمدیؐ سے تقابل بھی کر دیا۔ جو کہ کلام میں بلاغت و زیبائش کا سبب ہے۔ یہ تقابل نعت کے قارئین کے لیے اس لحاظ سے بھی سود مند ہے کہ ان کے سامنے ان تمام نظاموں سے بہتر نظام روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے۔

مقصود علی شاہ:

مقصود علی شاہ کے کلام میں ہمیں تاریخ کے صاحبِ قوت و شوکت بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرف اشارے ملتے ہیں جیسے شداد کا باغِ ارم، قیصر و کسریٰ کی سلطنت اور دارا کی حکمرانی وغیرہ۔

"دیکھیں گے ارم جا کے مدینے کی گلی میں
حیرت کا جہاں کوچۂ حیرت سے کھلے گا"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص۱۲۱)

ارم کی تلمیح اردو ادب میں کثرت سے برتی جاتی ہے۔ ارم ایک باغ کا نام ہے جسے عہدِ قدیم کے ایک جابر حکمران شداد نے بنوایا تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرتِ داؤدؑ نے شداد کو دینِ حق کی دعوت دی تو اس نے انکار کر دیا۔ اس کے مقابلے میں اس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور جنت کے بارے میں جتنی باتیں اس نے سن رکھی تھیں ان کے مطابق ایک باغ تعمیر کروایا جسے " جنتِ ارضی " بھی کہا جاتا ہے۔ ارم کی تلمیح زمینی جنت کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ شاعر اس شعر میں شہر مدینہ کو " جنتِ ارضی " کہہ رہے ہیں۔

"قصورِ قیصر و کسریٰ دہل گئے جس سے
عرب کی وادی میں گونجا وہ ایک نعرۂ خیر"

(مقصود علی شاہ، مطافِ حرف، ص۲۱۷)

عرب کی وادی سے ایک ایسا نعرہ بلند ہوا کہ جس سے قیصر و کسریٰ کے محلات کی بنیادیں اکھڑ گئیں۔ قیصر روم کا بادشاہ تھا اور کسریٰ فارس (ایران) کے بادشاہوں کو کہا جاتا تھا۔ حضور اکرمؐ نے جب چھٹے ہجری

میں بادشاہوں کو دعوتِ اسلام دی تو ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کی طرف بھی خط لکھا، اس نے خط پھاڑ دیا۔ حضور اکرمؐ نے اس کے مرنے سے ایک رات پہلے اس کے قتل کی خبر سنادی تھی۔ پھر حضرت عمر بن خطاب کے عہدِ حکومت میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی قیادت میں اسلامی لشکر نے ایران کے مجوسیوں کو شکست دی۔ اسی عہد میں روم بھی فتح ہوا۔ اس عہد میں روم اور ایران دنیا کی دو بڑی طاقتیں تھیں، جنھیں شکست دے کر اسلامی لشکر نے پوری دنیا پر اپنی طاقت و سطوت ثابت کر دی۔

مقصود علی شاہ نے "شداد کی ارم" اور "قیصر و کسریٰ" کی تلمیحات سے کلام میں تقابل کی کیفیت پیدا کی ہے۔ یہ تقابل سلطنتِ مدینہ کو مذکورہ سلطنتوں پر مقدم کرتا ہے۔ یہ وہ تلمیحات ہیں جو غزلیہ شاعری میں کثرت سے برتی جاتی ہیں، لیکن نعتیہ شاعری میں ان کا استعمال ناپید ہے۔ مقصود علی شاہ نے ان تلمیحات کے ذریعے اپنے نعتیہ لغت میں خوب صورت اضافے کیے ہیں۔

شاکر القادری:

شاکر القادری کے کلام میں تاریخ کے بڑے بڑے بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرف اشارہ ملتا ہے اور ان تلمیحات کے استعمال سے وہ حضور اکرم ﷺ کی شان و عظمت کا بیان کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں:

"سکندری و جمی، قیصری و دارائی
عرب کے جلووں میں گم ہوگئے عجم کے چراغ"

(شاکر القادری، چراغ، ص۴۹)

"یہ قیصری، یہ جمی، یہ کئی ، یہ فغفوری
ترے چراغ کے آگے، اِدھر اُدھر کے چراغ "

(شاکر القادری، چراغ، ص۵۸)

"لرزاں ہیں جس سے قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج
سطوت حضورؐ کی ہے یہ صولت حضورؐ کی"

(شاکر القادری، چراغ، ص۶۵)

متذکرہ بالا اشعار میں کئی حکومتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ان سب حکومتوں پر جو حکومت یا سلطنت مقدم ہے وہ حضور اکرمؐ کی سطوت و حکومت ہے۔ ان اشعار میں " سکندری" ، " دارائی" ،

قیصری، "کسریٰ" ، "جمی" ، "کئی" اور فغفوری" کی تلمیحات کا استعمال کیا گیا ہے۔ ان میں سے قیصر و کسریٰ کا بیان گزشتہ اوراق میں ہو چکا۔

سکندر یونان کا بادشاہ تھا جسے یونانی اپنا دیوتا بھی مانتے تھے، سکندر ۳۵۶ قبل مسیح میں پیدا ہوا اور بیس برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ اس کی حکومت تیرہ سال رہی اور اس کے بعد وہ اس دنیا سے چل بسا۔ البتہ ان تیرہ سالوں میں اس نے دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کو شکست دی۔ کہا جاتا ہے کہ سکندر نے آدھی دنیا فتح کر لی تھی اور اس کا ارادہ پوری دنیا پر حکومت کرنے کا تھا۔ اس کے علاوہ آبِ حیات کی تلاش میں نکلا اور اس کی راہ میں آنے والی تمام سلطنتوں پر اس نے قبضہ کر لیا۔ سکندر کی تلمیح اردو ادب میں کئی حوالوں سے برتی جاتی ہے۔ دارا قدیم ایران کا بادشاہ تھا، یہ اپنی طاقت اور غرور کی بدولت جانا جاتا تھا، کہا جاتا ہے کہ سکندر نے اسے اپنی سلطنت میں شمولیت کی پیش کش کی لیکن دارا نے اسے رد کر دیا، اس کے بعد دارا اور سکندر کے لشکر میں زبردست جنگ ہوئی اور دارا کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

" کئی " ، "کے " سے نکلا ہے "کے " فارس کے قدیم بادشاہوں کا لقب ہے جنھوں نے طویل مدت تک اپنی طاقت و حشمت سے دنیا کو متاثر کیا۔ "فغفور" قدیم چینی حکمرانوں کا لقب ہے۔ ان دونوں تلمیحات کے ذریعے فارس و چین کی عظیم سلطنتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مذکورہ اشعار میں عظیم سلطنتوں اور بڑے بڑے حکمرانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور اکرمؐ کی حکمرانی اور ان کی عظمت کا بیان کیا گیا ہے۔ یقیناً انسانی تاریخ کے حوالوں کے ساتھ شان رسولؐ کا بیان تلمیحات کے بغیر ناممکن ہے۔

شاکر القادری کی نعوت میں تاریخی حوالہ سے چند تلمیحات بار بار دہرائی گئی ہیں۔ یہ تمام وہ تلمیحات ہیں جن کا استعمال اردو کی غزلیہ شاعری میں تو بکثرت ملتا ہے البتہ نعتیہ شاعری میں خال خال ہی نظر آتا ہے۔ "سکندری"، "جمی"، "قیصری"، "دارائی"، "فغفوری"، اور "کسریٰ" یہ وہ تلمیحات ہیں جو شاکر القادری کی نعوت میں تاریخی حوالے سے برتی گئی ہیں۔ یہ تمام دنیا کے صاحبِ ثروت و سطوت بادشاہوں کے حوالے ہیں۔ شاکر القادری نے بڑی خوب صورتی سے ان تمام کو اپنے نعتیہ لغت میں جگہ دے کر کلام میں تقابل کی کیفیت پیدا کر دی۔

دلاور علی آزر:

دلاور علی آزر کی نعت میں ہمیں فارسی زبان کے عظیم نعت گو مولانا نور الدین جامی کا حوالہ اس انداز میں ملتا ہے:

"لے کے جائیں گے جامی و آزر
اپنا اپنا قصیدہ ان کے حضور"

(دلاور علی آزر، نقش، ص۶۹)

اس شعر میں مولانا جامی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دلاور کہتے ہیں کہ جیسے مولانا جامی اپنا نعتیہ کلام حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں پیش کریں گے، ویسے ہی میں بھی جامی کے ہم راہ اپنا نذرانۂ عقیدت ان کے حضور پیش کروں گا۔ ایک اور شعر میں جامی کا ذکر یوں کرتے ہیں:

"محفلِ میلاد برپا تھی مرے دل میں حضورؐ
نعت لکھ کر لائے تھے کل رات جامی آپؐ کی"

(دلاور علی آزر، نقش، ص۱۱۹)

دلاور علی آزر کے کلام میں تاریخی حوالے سے ایک ہی تلمیح "جامی" کا استعمال ملتا ہے جو کہ عقیدت کے طور پر لایا گیا ہے۔

ج۔ علمی و اصطلاحی تلمیحات:

علمی و اصطلاحی تلمیحات پر بحث کرنے سے قبل ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ علم اور اصطلاح کہتے کسے ہیں۔ تاکہ ہمیں علمی و اصطلاحی تلمیحات کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

علم زبانِ عربی کا لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی بھی چیز یا موضوع سے متعلق جاننا یا مکمل آگاہی حاصل کرنا۔ علم وہ مجموعۂ مباحث ہے جو کسی خاص مضمون یا موضوع سے مختص ہو جاتا ہے اور اس میں اس موضوع کی قدر و حیثیت سے متعلق مفصل بحث کی جاتی ہے اور اس موضوع سے متعلق مسائل پر مدلل گفتگو کی جاتی ہے۔ "اردو لغت" میں علم کے معنی کچھ یوں ہیں:

"۱۔ جاننا، آگاہی، واقفیت

۲۔ مرتب مباحث کا وہ مجموعہ جو کسی خاص موضوع سے مخصوص ہو اور اس میں اس موضوع سے کسی خاص حیثیت اور اعتبار سے یا اس کے چند خاص عوارض ذاتیہ کے

پیش نظر بحث کی جائے اور متعلقہ قضایا(مسائل) دلیل کے ساتھ بیان کئے جائیں،
مثلاً علم طب کہ اس کا موضوع جسم انسانی ہے اور ہر علم تین اجزا پر مشتمل ہوتا ہے
موضوع، مسائل اور مبادی جن پر مسائل مبنی ہوتے ہیں نیز کسی خاص فن کی ماہیئت یا
واقفیت، ہنر، جوہر
۳۔ وہ مباحث جن کے مقدمات و نتائج یقینی ہوں، سائنس " (۲۹)

علم کی متذکرہ بالا تعریف سے پتا چلتا ہے کہ علم کسی خاص موضوع سے متعلق مباحث کا مجموعہ ہے اور یہ مباحث مدلل و مفصل بیان کیے جاتے ہیں تا کہ اس موضوع کے تمام مسائل یا قضا کا مناسب حل نکالا جا سکے۔

اصطلاح وہ لفظ ہے جو کسی خاص معنی میں برتا جائے یا رائج ہو جائے۔ لیکن ہر لفظ جو کسی خاص معنی میں برتا جائے اصطلاح نہیں کہلائے گا بلکہ وہ لفظ جس کے کوئی خاص معنی اہلِ علم و فن مقرر کر دیں، اسے اصطلاح کہا جاتا ہے۔ "اردو لغت" میں ہے: "وہ لفظ جس کے کوئی خاص معنی کسی علم یا فن وغیرہ کے ماہرین نے یا کسی جماعت نے مقرر کر لیے ہوں۔" (۳۰) یعنی اصطلاح وہ لفظ ہے جو کسی خاص معنی کے ساتھ اہلِ علم و فن کے ہاں استعمال ہو رہا ہو۔

علم و اصطلاح کی تعریفات کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی خاص موضوع کی طرف اشارہ کرنا یا کسی ایسے لفظ کا استعمال جو کسی مخصوص معنی میں ماہرین کے ہاں رائج ہو چکا ہو، علمی و اصطلاحی تلمیح کہلائے گا۔ یعنی علمی و اصطلاحی تلمیحات میں ہم علم کی کسی شاخ یا کسی اصطلاح کی طرف اشارات کا جائزہ لیں گے اور یہ پرکھنے کی کوشش کریں گے کہ نعت گو شعرا کے ہاں علمی و اصطلاحی اشارات کس درجہ برتے جاتے ہیں اور ان سے نعت کی معنوی وسعتوں پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ذیل میں ہم منتخب نعت گو شعرا کے کلام میں استعمال کی گئی علمی و اصطلاحی تلمیحات کا جائزہ لیتے ہیں۔

ریاض مجید:

ریاض مجید کے کلام میں چند ایک علمی اصطلاحات یا تصوف کی اصطلاحات کی تلمیحات پائی جاتی ہیں۔ جیسے، "ابجد" ، " میم مشدّد" وغیرہ۔

" کوئی لکھ ہی نہیں سکتا، کوئی گن ہی نہیں سکتا
بھرم کھولا تیرے اوصاف نے اعداد و ابجد کا "

(ریاض مجید، سیدنا کریم، ص ۲۷)

"نہیں ہے بال بھر بزمِ دوعالم میں خلا کوئی
مکاں ہو یا زماں صدقہ ہے اک میمِ مشدّد کا"

(ریاض مجید، سیدنا کریم، ص۲۸)

"پیالہ با پیالہ متصل قوسین سا املا۔۔۔!
زمیں سے عرش تک رحمت نما ہے میم کی شدّ کا"

(ریاض مجید، سیدنا کریم، ص۲۹)

مندرجہ بالا تینوں اشعار میں جو اصطلاحات لائی گئی ہیں ان کا تعلق قواعدِ زبان سے ہے۔ " ابجد" زبان کے حروفِ تہجی کو کہا جاتا ہے۔ اصطلاح میں ابجد وہ حروف ہیں جن کی مدد سے زائچے وغیرہ معلوم کیے جاتے ہیں۔ اردو لغت میں ہے۔:

" ا۔ کسی زبان یا رسم الخط کے مفرد حروف، حروفِ تہجی، اصلاً فینیفی رسم الخط ہجائی کے پہلے چار حروف ا ب ج د

۲۔ حروفِ تہجی کی وہ ترتیب جس میں حسابِ جمل کے لیے حروف کے اعداد مقرر ہیں۔۔۔" (۳۱)

بظاہر یہ شعر سادہ سا ہے لیکن اس میں لفظ" ابجد" کے استعمال سے معنی کا ایک جہان سمو دیا گیا ہے۔ دوسرے اور تیسرے شعر میں" میمِ مشدّد" یا" میم کی شد" کی تلمیح حضور اکرمؐ کے اسمِ گرامی" محمدؐ" کی طرف اشارہ ہے۔ قواعد کی رو سے لفظ" محمدؐ" کی دوسری" میم" پر شد کی علامت لگائی جاتی ہے۔ تشدید شدہ حرف کو الفاظ کا تلفظ کرتے وقت دو مرتبہ پڑھا جاتا ہے،" اردو لغت" میں ہے: " حروف کی دوہری آواز ادا کرنا، تشدید لگانا، آواز کا اتار چڑھاؤ۔" (۳۲)

اس کے علاوہ ریاض مجید کے کلام میں شعری اصطلاحات کا استعمال بھی ملتا ہے:

"ہو وقتِ نعت نگاری خیالِ زائر خلد
یہ میری کلک پرِ جبرائیل بن جائے"

(ریاض مجید، سیدنا کریم، ص۷۵)

"ہو التزام بہ یک قافیہ سے باقی نعت
تو عرضِ شوق دلیل و دلیل بن جائے"

(ریاض مجید، سیدنا کریم، ص۷۶)

مندرجہ بالا اشعار میں " نعت " اور " قافیہ " شعری اصطلاحات میں سے ہیں۔ نعت کی تعریف گزشتہ اوراق میں بیان کی جا چکی ہے۔ قافیہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی پیچھے آنے والے کے ہیں۔ "اردو لغت " میں ہے:

"پیچھے چلنے والا

(عروض) چند حروف و حرکات کا مجموعہ جس کی تکرار الفاظ مختلف کے ساتھ آخر مصرع یا آخر بیت یا دو فقروں کے آخر میں پائی جائے، خواہ وہ الفاظ لفظاً مختلف ہوں یا معناً۔ (۳۳)

عرفِ عام میں قافیہ ان ہم آواز الفاظ کو کہتے ہیں جو نظم و غزل کے ہر شعر کے آخر میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ریاض مجید کے کلام میں تصوف کی چند اصطلاحات بھی ملتی ہیں۔ تصوف اور اردو ادب کا رشتہ چولی دامن کا ہے۔ اردو ادب میں ہمیشہ سے ہی تصوف کو دخل رہا ہے۔ اردو کی غزلیہ و نعتیہ شاعری میں متصوفانہ عناصر ملتے ہیں:

"سفر ہے در پیش سدرہ المنتہائے فن کا
کہ عالمِ ہُو میں ذات تحلیل ہو رہی ہے"

(ریاض مجید، سیدنا رحیم، ص ۶۴)

"مراقبے میں یہ اپنی درود خوانی بھی
نبی کے قرب کے ارمان ہی کی صورت ہے"

(ریاض مجید، سیدنا رحیم، ص ۶۸)

ان اشعار میں تصوف کی دو اصطلاحات کو بطور تلمیح لایا گیا ہے۔" عالمِ ہُو" اور مراقبہ۔ عالمِ ہو سے مراد عالمِ لاہوت ہے۔ تصوف کے مندرجات میں یہ بھی ایک درجہ ہے جس میں صوفی کو فنا فی اللہ کا منصب حاصل ہوتا ہے اور مراقبہ، رہِ سلوک کی وہ منزل ہے جس میں دل کو حق تعالیٰ کے ساتھ حاضر رکھ کر خودی اور دوئی کا تصور بھلا دیا جاتا ہے۔" سفر ہے در پیش سدرۃ المنتائے فن کا" سے مراد ہے کہ نعتِ رسولِ مقبول بیان کی جا رہی ہے۔ یہ ایسے ہے کہ جیسے سدرۃ المنتہٰی پر جانا ہے اور اس مقام سے پہلے ہم فنا ہوئے جاتے ہیں اور مراقبہ میں درود پڑھنے کا عمل بھی حضور اکرم ﷺ کا قرب حاصل کرنے کی سعی ہے۔

قرآنی، احادیثی اور تاریخی تلمیحات کا نعتیہ شاعری میں استعمال کوئی نئی بات نہیں۔ البتہ علمی و اصطلاحی تلمیحات کا نعت میں شامل ہونا انوکھی اور چونکا دینے والی بات ہے۔ علمی و اصطلاحی تلمیحات کا استعمال بعض اوقات اس پیرائے میں کیا جاتا ہے کہ شعر کا مفہوم سراسر تبدیل ہو جاتا ہے۔ ریاض مجید کی نعوت میں قواعدِ زبان کی اصطلاحات کا بہ طور تلمیحات استعمال بہت اہمیت کا حامل ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے ذاتی اوصاف کا "اعداد و ابجد" سے منطبق کرنا یا زمان و مکان کا "میمِ مشدد" سے متصل کیا جانا اپنی جگہ نیا بھی ہے اور انوکھا بھی۔ ریاض مجید نے ان انوکھی تلمیحات سے نہ صرف اپنے نعتیہ لغت میں نئے الفاظ شامل کیے بلکہ اپنے کلام کو حسن و زیبائش سے مزین کیا۔ "پیالہ باپیالہ متصل قوسین سا املا۔۔" اس مصرع میں حضور اکرم ﷺ کے اسمِ مبارک کی طرف جس مہارت اور خوب صورتی سے اشارہ کیا گیا اس کی نظیر نہیں۔ تصوف کی تلمیحات "عالمِ ہو میں ذات تحلیل ہونا" اور "مراقبے میں درود خوانی" کے استعمال سے ریاض مجید نے دربارِ رسالت ﷺ میں اپنی عاجزی و انکساری اور بے بسی کا اظہار کمال مہارت سے کیا ہے۔

عزیز احسن:

عزیز احسن کے کلام میں ہمیں تلمیحات کے باب میں شعری اصطلاحات کا استعمال عام ملتا ہے۔ وہ اپنے کلام میں جابجا تلمیح کے ساتھ شعری اصطلاحات کو جوڑنے کی سعی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً:

"شاعری جُز مدحِ آقا برمحل ہوتی نہیں
جب سے میں نے نعت پر سوچا، غزل ہوتی نہیں"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص ۳۶۲)

"حمد لکھو ، نعت لکھو، منقبت لکھو عزیز
کوئی بھی صنفِ سخن ان کا بدل ہوتی نہیں"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص ۳۶۳)

مندرجہ بالا اشعار میں حمد، نعت، منقبت اور غزل ایسی اصنافِ سخن کا حوالہ دیا گیا ہے۔ "حمد" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی تعریف و توصیف کے ہیں۔ اصطلاح میں حمد، ربِ باری تعالیٰ کی تعریف و توصیف کے لیے مقرر کر لیا گیا ہے۔ نعت بھی عربی زبان کا لفظ ہے اور یہ اصطلاحاً حضور اکرم ﷺ کی تعریف و

توصیف کے لیے مقرر ہے۔" منقبت" کے معنی خوبیاں بیان کرنے کے ہیں۔ اصطلاحاً یہ لفظ اہلِ بیتِ رسول اور اصحابِ رسول کی تعریف و تمجید کے لیے مقرر ہو گیا ہے۔"غزل" زبانِ فارسی کا لفظ ہے۔ لغت کے اعتبار سے یہ لفظ " غزال" سے نکلا ہے۔ غزال، ہرن کو کہتے ہیں اور فارسی زبان میں غزل شکار ہوتی ہوئی ہرن کی دردناک کو کہا جاتا ہے۔ اردو زبان و ادب میں غزل، عورتوں کی باتیں یا عورتوں سے باتیں کرنے کو کہتے ہیں۔ شاعر کا مقصود یہ ہے کہ چاہے ان تمام اصناف میں طبع آزمائی کرتے پھریں لیکن ہم پھر بھی حضور اکرم ﷺ کی تعریف و تمجید کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ عزیز احسن نے جن علمی تلمیحات کا استعمال کیا یہ اکثر و بیشتر برتی جاتی ہیں لہٰذا ان سے نئے مضامین کشید کر پانا مشکل ہے۔

صبیح الدین رحمانی:

"حسنین یوں حضورؐ کے آغوش و دوش پر
اعراب جیسے آیۂ قرآں کے اردگرد"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص۸۶)

اس شعر میں حضور اکرمؐ کے پیارے نواسوں (حضرت حسن اور حضرت حسین) کے آپؐ کی گود میں بیٹھنے اور آپؐ کے کاندھوں پر سواری کو آیاتِ قرآنی کے " اعراب" سے تشبیہ دی جا رہی ہے۔ "اعراب" حروف کی حرکات یا حروف کے اتار چڑھاؤ کا نام ہے۔ عرب کے مختلف علاقوں میں زبانِ عربی کے ہجوں میں فرق تھا۔ اس خدشے کے پیشِ نظر کہ کہیں قرآن مجید کے الفاظ کا تلفظ غلط نہ کیا جانے لگے، آیاتِ قرآنی کے ہر لفظ کی حرکات کے لیے " اعراب" مقرر کر دیئے گئے۔ شاعر ان " اعراب" سے حسنین کریمین کے دوش و آغوشِ نبوتؐ پر سواری کو تشبیہ دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ صبیح الدین رحمانی کی ایک نعتیہ نظم " ایک عالمگیر نظام" میں تاریخ کی ایک اہم علمی شخصیت " کارل مارکس" کی تلمیح کچھ ان کے الفاظ میں لائی گئی ہے:

"مارکس کے فلسفہء جہدِ شکم سے اہم
کوئی مطلب ہی نہیں ---"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص۲۲۲)

کارل مارکس، انیسویں صدی کا ایک اہم معیشت دان تھا۔ اس نے سرمایہ دارانہ نظام اور استحصالِ غربا کا تجزیہ کرتے ہوئے ایک کتاب " داس کیپیٹیل" کے نام سے تصنیف کی۔ مارکس نے سرمایہ دارانہ نظام کے

خاتمے اور پسماندہ طبقے کی فلاح کے لیے دولت کی منصفانہ تقسیم کا نظریہ پیش کیا۔مارکس کے اس نظریے کے پیش نظر کئی فلاحی اور علمی وادبی تنظیمیں قائم ہوئیں جنھوں نے پسماندہ طبقے کے لیے آواز بلند کی۔ صبیح الدین رحمانی نے نادر اور اچھوتی علمی تلمیحات سے اپنے کلام کو حسنِ بلاغت سے مزین کیا۔

مقصود علی شاہ:

مقصود علی شاہ کے کلام میں جابجا اصطلاحاتِ شعری کی طرف اشارے ملتے ہیں۔کلام میں شعری اصطلاحات کے استعمال سے وہ ابلاغ کا عنصر لاتے ہیں: مثلاً

"صبح باندھوں گا میں تجھ کو مقطعِ نعتِ نبیؐ
روشنی کے مطلعِ اظہار پر شب بھر اتر"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص ۱۱۲)

"ممکن نہیں حروف سے تخلیق نعت کی
کھلتا ہے یہ گلاب کرم کی مطور سے"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص ۲۱۶)

مندرجہ بالا اشعار میں شعری اصطلاحات میں سے " نعت " کی اصطلاح کا استعمال کیا گیا ہے۔اس کے ساتھ شعری اصطلاحات میں سے " مقطع " اور " مطلع " کو لایا گیا ہے۔مطلع کے معنی " طلوع ہونے کی جگہ " کے ہیں۔شعری اصطلاح میں مطلع نظم وغزل کے پہلے شعر کو کہا جاتا ہے۔یہاں " مطلعِ اظہار " کی ترکیب لائی گئی ہے جس کا مطلب ہے اظہار کی ابتدا ہونا یا نعت رسولِ کریم ﷺ کا آغاز۔مقطع کے معنی " کاٹنے " کے ہیں۔اصطلاح میں مقطع نظم وغزل کے آخری شعر کو کہا جاتا ہے۔شاعر کا مقصود یہ ہے کہ شب بھر نعتِ رسولِ مقبول ﷺ لکھتا رہے اور وقتِ سحر اس کی تکمیل ہو۔

"عجب ہے حمد و محمد میں اشتراکِ جمیل
کرم سراپا ہے یہ میم دال اسم ترا "

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص ۶۳)

اس شعر میں " حمد کے ساتھ ساتھ " دال " اور "میم " کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔" دال " اور "میم " عربی و فارسی اور اردو حروفِ تہجی کا حصہ ہیں۔یہاں حمدِ باری تعالیٰ اور اسمِ محمد ﷺ کے درمیان مشترک حروف کے لطیف رشتے کا اظہار کیا گیا ہے۔

"عطر بیز چھاؤں میں ، نور کی رداؤں میں
نام میرا آئے گا نعت آشناؤں میں"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص۷۸)

اس شعر میں " نعت آشنا" سے مراد خدمتِ نعت پر معمور ایک سوشل میڈیا گروپ اور نعتیہ ادب کی ترویج کے لیے قائم کیا گیا ادارہ" نعت آشنا" ہے۔ مقصود علی شاہ اس ادارے کے روحِ رواں ہیں۔ چوں کہ یہ ادارہ خدمتِ نعت پر معمور ہے، لہٰذا اس کے عطر بیز چھاؤں میں اور نور کی رداؤں میں ہونے پر کوئی شبہ نہیں۔

مقصود علی شاہ نے اپنی نعوت میں شعری اصطلاحات کا بہ طور تلمیحات استعمال کیا ہے۔ شعری اصطلاحات "مطلع"، "مقطع" اور "نعت" ایسی تلمیحات کا استعمال اردو نعتیہ روایت میں اکثر و بیشتر مل جائے گا۔ ان کے استعمال سے شاعر نے اپنے نعتیہ لغت میں چند الفاظ کا اضافہ تو کیا لیکن ان کے ذریعے کلام میں کسی نئے زوایے کی گنجائش مفقود ہے۔ البتہ "نعت آشنا" کی تلمیح کا استعمال قارئینِ نعت کی توجہ خدمتِ نعت پر معمور ایک اہم ادارے کی صرف ضرور دلاتا ہے۔ یہاں یہ تلمیح ذو معنی برتی گئی ہے۔ "نعت آشنا" سے مراد ترویجِ نعت کا ادارہ بھی لیا جاسکتا ہے اور نعت سے آگاہی رکھنے والا بھی۔

شاکر القادری:

"یارسول اللہ۔۔۔۔اپنی کاوشیں ہوں معتبر
یہ فروغِ نعت بن جائے ادارہ نور کا"

(شاکر القادری، چراغ، ص۹۴)

اس شعر میں ادارہ" فروغِ نعت" کا حوالہ دیا گیا ہے۔" فروغِ نعت" ضلع اٹک کا نعتیہ ادب کے حوالے سے ایک معتبر و مستند ادارہ ہے۔ شاکر القادری اس ادارے کے مدیر اور روحِ رواں ہیں۔ شاکر القادری نے اپنی زندگی اس ادارے اور خدمتِ نعت کے لیے وقف کر دی ہے۔

"سر تاجِ فصیحانِ عرب، گنجِ بلاغت
امی ہے مگر صاحبِ قرآن مبیں ہے"

(شاکر القادری، چراغ، ص ۶۲)

" بلاغت " کلامِ فصیح کی مقتضائے حال سے مطابقت کو کہا جاتا ہے۔ یہ ایک ادبی اصطلاح ہے۔ " اردو لغت " میں اس کے معنی یوں ہیں: " (ادب) وہ علم جو اعلیٰ درجہ کی خوش بیانی کے قواعد پر مبنی ہو، معانی و بیان اور بدیع پر مبنی علم۔ " (۳۴) لفظ بلاغت کی تعریف و تشریح کرنے کے لیے کئی اوراق کے دفتر درکار ہیں۔ بس اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ بلاغت اظہار کے درجۂ ابلاغ کو پالینے کا نام ہے۔ اس شعر میں حضور اکرم ﷺ کو گنجِ بلاغت کہا گیا ہے اور ساتھ ہی " امی " کی اصطلاح لائی گئی ہے۔ " اُمی " عربی زبان میں ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو پڑھنا لکھنا بالکل نہ جانتا ہو۔ چوں کہ حضور اکرمؐ نے کسی درس گاہ سے تعلیم حاصل نہیں کی اس لیے آپؐ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے، آپؐ کو نبیِ اُمی کے لقب سے پکارا جانے لگا یہاں یہ لفظ انھی معنوں میں لایا گیا ہے۔

" سر تاجِ فصیحانِ عرب " اور " گنجِ بلاغت " کا استعمال حضور اکرم کے لیے بہ طور کنایہ کیا گیا ہے۔ ایسی تلمیحات جن کا استعمال کثرت سے کیا جا رہا ہو، انھیں جب تراکیب کے قالب میں ڈھالا جاتا ہے تو کلام کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔ شاکر القادری نے " فروغِ نعت " کی تلمیح سے قارئینِ نعت کی توجہ نعتیہ ادب کی ترویج کے لیے کام کرنے والے ایک اہم اور معتبر ادارے کی طرف مبذول کرانے کی کوشش بھی کی ہے۔

دلاور علی آزر:

دلاور علی آزر کے کلام میں ہمیں اصطلاحِ شعری کا بھرپور حوالہ ملتا ہے۔ وہ بڑے منفرد انداز سے شعری اصطلاحات کو تلمیحات کے ساتھ کلام میں استعمال کرتے ہیں۔

" کتنے بلند شعر ہوئے اس پہ نعت میں
کیا آسماں سے بھیجی گئی تھی زمیں مجھے "

(دلاور علی آزر، نقش، ص ۴۹)

" حروفِ علت کو گرانے کی ضرورت نہ رہی
اس نے ترتیب دیئے آ کے جب اوزانِ عرب "

(دلاور علی آزر، نقش، ص ۷۷)

" یہ رہِ مدحتِ سرکارِ دو عالم ہے جناب
کھردرا لفظ یہاں ہو کے حذف آتا ہے "

(دلاور علی آزر، نقش، ص ۸۱)

مندرجہ بالا تینوں اشعار کو عروض کی اصطلاحات سے مزین کیا گیا ہے۔ پہلے شعر میں " زمین" دوسرے میں " حروفِ علت" اور" اوزان" اور تیسرے میں" حذف"۔

" زمین" عروض کی اصطلاح میں نظم و غزل کی بحر کو کہتے ہیں جس میں قافیہ و ردیف کی پابندی کی جا رہی ہو۔ "حروفِ علت" وہ حروف ہیں کہ جو کہیں تو اپنی اصل آواز کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں اور کہیں انھیں دوسرے حروف کے ساتھ کھینچا جاتا ہے۔ یہ حروف تین ہیں۔ الف، واؤ اور یے۔ اردو لغت میں ہے:

"۔۔۔(عروض) تغیر جو اسباب کے حرفِ دوم کے سوا اور کسی جگہ واقع ہو، بعض کا خیال ہے کہ سبب کے آخر حرف کو ساکن یا حذف کر دینا زحاف ہے بعض تغیرات علل اور بعض کل تغیرات کو زحاف کہتے ہیں اور جو تغیر صرف سبب کے حرف دوم پر واقع ہو، اسے علت کہتے ہیں۔۔۔" (۳۵)

" اوزان " وزن کی جمع ہے۔ وزن اشعار یا مصارع کے موزوں ہونے کا نام ہے۔ یعنی شعر کے متحرک اور ساکن حروف کے ارکان آپس میں ملتے ہوں۔ " حذف " بھی عروض کی ہی ایک اصطلاح ہے، اس کے لغوی معنی " نکال دینا" کے ہیں۔ عروض کی اصطلاح میں کسی رکن کے آخر سے سببِ حفیف کے گرانے کو حذف کرنا یا زحاف میں شامل کرنا کہتے ہیں۔

اول الذکر شعر میں " آسمان سے زمین" بھیجے جانے کی بات ہوئی ہے جو بظاہر بھلی نہیں لگ رہی لیکن اگر اس تلمیح " زمین" کی توضیح کی جائے تو یہی شعر ابلاغ کے اعلیٰ منصب پر فائز ملے۔ اسی طرح دوسرے شعر میں" اوزانِ عرب" میں سے "حروفِ علت" کے نہ گرنے کا تذکرہ کیا گیا۔ بظاہر یہ شعر بہت سادہ ہے لیکن اس میں ایک جہانِ معنی نہاں ہے۔ دوسرے مصرع میں " اوزانِ عرب" میں حرفِ علت کو نہیں گرایا گیا اور تیسرے شعر میں" کھر درے لفظ کے حذف" ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ علمِ عروض کی رو سے مصرع میں اگر کوئی رکن کھل رہا ہو تو اسے حذف کیا جاتا ہے۔ شاعر کا مقصود یہ ہے کہ حضور اکرمؐ کی مدحت کے باب میں کوئی کھر درا لفظ آتا ہی نہیں، جو آتا ہے حذف ہو کے آتا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف اشعار میں نعت اور غزل کی اصطلاحات کا استعمال کیا گیا ہے:

"اسے اصنافِ دیگر سے غرض کیا
کہ جو ممتاز ہو نعتِ نبیؐ سے

غزل کا مرتبہ بڑھتا ہے آزر
جو ہم آواز ہو نعتِ نبی سے"

(دلاور علی آزر، چراغ، ص ۱۷)

" غزل" اور " نعت" کی اصطلاح کے استعمال سے بہت لطیف اشارہ مقصود ہے۔ دورِ حاضر میں اکثر و بیشتر نعت گو شعرا ہیئت "غزل" میں "نعت" بیان کر رہے ہیں۔ متقدمین کے ہاں " نعت" کا بیان " نظم" کی ہیئت میں کیا جاتا تھا۔ مقصود یہ ہے کہ جب غزل نعت کی ہم آواز ہو جائے، یعنی غزل میں روایت سے ہٹ کر نعتیہ مضامین سمانے لگیں تو غزل کا مرتبہ مزید بلند ہوتا ہے۔

"حدیث اک علم ہے جس علم کی اپنی ریاضی ہے
یہاں ہر حاشیے پر حاشیہ بردار کُھلتے ہیں"

(دلاور علی آزر، سیدی، ص ۵۱)

"حدیث" کے لغوی معنی بات یا بیان کرنے کے ہیں۔ اصطلاح میں حضور اکرمؐ کے قول، فعل یا تقریر کو حدیث کہتے ہیں اور ریاضی اعداد و مساحت کا علم ہے جس میں حساب، نجوم، جبر و مقابلہ، موسیقی اور ہندسے وغیرہ شامل ہیں۔ "حاشیہ" متنِ کتاب کے کسی حصے کی شرح کو کہتے ہیں۔ اس شعر میں تین اصطلاح کا استعمال کیا گیا ہے۔ ان تینوں اصطلاحات کو جانے بنا شعر کی تفہیم ممکن نہیں۔

دلاور علی آزر کے کلام میں شعری اصطلاحات کا استعمال بہت ملتا ہے۔ انھوں نے "عروض" اور "زمین" ایسی شعری اصطلاحات کا استعمال بھی کیا جن کا استعمال اس سے قبل اردو کی نعتیہ شاعری میں ناپید ہے۔ ایسی تلمیحات کے استعمال سے نئے اشعار کا حصول قدرے آسان ہو جاتا ہے اور نادر موضوعات تراشے جاسکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱. مصاحب علی صدیقی، اردو ادب میں تلمیحات، ص ۲۲۲
۲. Android App, Islam360، ۲۵۔ نومبر ۲۰۲۲ء، رات ۱ بجے
۳. ایضاً، ۲۵۔ نومبر ۲۰۲۲ء، رات ۱:۱۰ بجے
۴. ایضاً، ۲۵۔ نومبر ۲۰۲۲ء، رات ۱:۵۰ بجے
۵. یوسف سلیم چشتی، شرح جاوید نامہ، عشرت پبلشنگ ہاوس، لاہور، اکتوبر ۱۹۵۶ء، ص ۹۱۳
۶. Android App, Islam360، ۲۵۔ نومبر ۲۰۲۲ء، رات ۲ بجے
۷. ایضاً، ۲۵۔ نومبر ۲۰۲۲ء، رات ۲:۱۰ بجے
۸. ایضاً، ۲۵۔ نومبر ۲۰۲۲ء، رات ۲:۳۴ بجے
۹. ایضاً، ۲۵۔ نومبر ۲۰۲۲ء، رات ۳ بجے
۱۰. ایضاً، ۲۵۔ نومبر ۲۰۲۲ء، رات ۳:۴۰ بجے
۱۱. ایضاً، ۲۵۔ نومبر ۲۰۲۲ء، صبح ۴ بجے
۱۲. ایضاً، ۲۵۔ نومبر ۲۰۲۲ء، صبح ۴:۲۰ بجے
۱۳. ایضاً، ۲۵۔ نومبر ۲۰۲۲ء، صبح ۵ بجے
۱۴. ایضاً، ۲۵۔ نومبر ۲۰۲۲ء، صبح ۵:۳۰ بجے
۱۵. ایضاً، ۲۵۔ نومبر ۲۰۲۲ء، دن ۱ بجے
۱۶. ایضاً، ۲۵۔ نومبر ۲۰۲۲ء، دن ۱:۱۰ بجے
۱۷. ایضاً، ۲۵۔ نومبر ۲۰۲۲ء، دن ۱:۴۰ بجے
۱۸. ایضاً، ۲۵۔ نومبر ۲۰۲۲ء، دن ۲ بجے
۱۹. ایضاً، ۲۵۔ نومبر ۲۰۲۲ء، دن ۲:۱۰ بجے
۲۰. مصاحب علی صدیقی، اردو ادب میں تلمیحات، ص ۲۲۲
۲۱. https://www.minhaj.org/urdu/tid/34985/%D9%86%D9%88%D8%B1-%D9%85%D8%AD%D9%85%D8%AF%DB%8C-%D8%B1%D9%88%D8%AD-%DA%A9%D8%A7%D8%A6%D9%86%D8%A7%D8%AA-%DB%81%DB%92-%DA%88%D8%A7%DA%A9%D9%B9%D8%B1%D8%AD%D8%B3%DB%8C%

D9%86-%D9%85%D8%AD%DB%8C-
%D8%A7%D9%84%D8%AF%DB%8C%D9%86-
%D9%82%D8%A7%D8%AF%D8%B1%DB%8C-%DA%A9%D8%A7-
%D9%85%D8%B6%D9%85%D9%88%D9%86.html،۲۵۔نومبر ۲۰۲۲ء،دن ۲:۱۰ بجے
۲۲. Islam360 Android App,،۲۵۔نومبر ۲۰۲۲ء،دن ۳ بجے
۲۳. ایضاً،۲۵۔نومبر ۲۰۲۲ء،دن ۳ بجے
۲۴. ایضاً،۲۵۔نومبر ۲۰۲۲ء،دن ۳ بجے
۲۵. http://udb.gov.pk/result.php?search=%D8%AA%D8%A7%D8%B1%DB%8C%D8%AE،۲۵۔نومبر ۲۰۲۲ء،دن ۳:۳۰ بجے
۲۶. سلیم اختر، تنقیدی دبستان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۱۳۲
۲۷. مصاحب علی صدیقی، اردو ادب میں تلمیحات، ص ۲۱۷
۲۸. رفیع الدین اشفاق، اردو میں نعتیہ شاعری، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، اکتوبر ۱۹۷۶ء، ص ۷۷
۲۹. http://udb.gov.pk/result.php?search=%D8%B9%D9%84%D9%85،۲۵۔نومبر ۲۰۲۲ء،دن ۳:۴۰ بجے
۳۰. http://udb.gov.pk/result.php?search=%D8%A7%D8%B5%D8%B7%D9%84%D8%A7%D8%AD،۲۵۔نومبر ۲۰۲۲ء،شام ۴ بجے
۳۱. http://udb.gov.pk/result.php?search=%D8%A7%D8%A8%D8%AC%D8%AF.com،۲۵۔نومبر ۲۰۲۲ء،شام ۴ بجے
۳۲. http://udb.gov.pk/result.php?search=%D8%B4%D8%AF،۲۵۔نومبر ۲۰۲۲ء، شام ۴:۵۰ بجے
۳۳. http://udb.gov.pk/result.php?search=%D9%82%D8%A7%D9%81%DB%8C%DB%81،۲۵۔نومبر ۲۰۲۲ء،شام ۶ بجے
۳۴. http://udb.gov.pk/result.php?search=%D8%A8%D9%84%D8%A7%D8%BA%D8%AA،۲۵۔نومبر ۲۰۲۲ء،شام ۶ بجے

۳۵. http://udb.gov.pk/result.php?search=%D8%B9%D9%84%D8%AA

۲۵۔نومبر ۲۰۲۲ء،شام ۷ بجے

باب سوم:

منتخب شعرا کے نعتیہ کلام میں تلمیحات کی فنی اقسام کا مطالعہ

ا۔ تشبیہاتی تلمیح:

تشبیہاتی تلمیح کی توضیح کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ پہلے تشبیہ کو بہ خوبی جان لیا جائے کہ آخر تشبیہ کیا ہے۔ تشبیہ زبانِ عربی کا لفظ ہے اس کے معنی مثال دینے یا مشابہت کے ہیں۔ " اردو لغت" میں ہے:

"مشابہت، مساثلت، ایک چیز کو کسی صفت میں دوسری چیز سے ملانا۔" (۱)

بیان کی رو سے تشبیہ نام ہے کسی ایک چیز کو کسی خاص خوبی کی بنا پر کسی دوسری چیز کے مماثل قرار دینا۔ یعنی کسی شے کو مشترک خوبی کی بنیاد پر دوسری شے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ بنیادی طور پر تشبیہ کے معنی مثال دینا یا مساثلت کے ہیں، چناں چہ کسی خاص چیز یا فرد کو اس کی کسی خاص خوبی کی بنیاد پر کسی ایسے فرد یا چیز کی مانند قرار دینا، جس کی وہ صفت مشہور یا مانی ہوئی ہو۔ مثلاً اگر ہم کہیں کہ بچہ چاند جیسا خوب صورت ہے تو اسے تشبیہ کہیں گے کیوں کہ چاند کی خوب صورتی تسلیم شدہ ہے گو کہ یہ مفہوم بچے کو چاند سے تشبیہ دیئے بنا بھی ادا ہو سکتا تھا کہ بچہ خوب صورت ہے لیکن تشبیہ کی وجہ سے کلام میں بلاغت پیدا ہو گئی ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ ندیم شیر کی طرح شجاع ہے، تشبیہ ہے کیوں کہ شیر کی شجاعت تسلیم شدہ ہے اور مقصد ندیم کی شجاعت کو واضح کرنا ہے۔ یہ صفت شیر اور ندیم میں مشترک ہے۔ تشبیہ کا مقصد مشبہ کی کسی خاص صفت کے بیان کرنے کے ساتھ اس صفت کی شدت کو بیان کرنا بھی ہے۔ تشبیہ کے ارکان ذیل ہیں:

ا۔ مشبہ ۲۔ مشبہ بہ ۳۔ حرفِ تشبیہ ۴ ۔وجۂ تشبیہ ۵۔ غرضِ تشبیہ

تشبیہ سے متعلق سید عابد علی عابد کہتے ہیں:

> " تشبیہ وہ فن ہے جس کے ذریعے فن کار، انشا پرداز یا خطیب مختلف چیزوں میں مشابہتیں دریافت کرتا ہے۔ گویا ایک چیز کو دوسری چیز کے مشابہ کر دیتا ہے۔" (۲)

کسی ایک شے کو دوسری شے کی مانند قرار دینے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ خوبی جو دونوں میں قدرِ مشترک ہے دونوں میں برابر موجود ہو۔ ہاں البتہ ان میں کچھ مماثلت ضرور پائی جاتی ہے، جیسے میر تقی میر کا یہ شعر دیکھیے :

"نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے"

(میر تقی میر)

متذکرہ بالا شعر میں میر نے محبوب کے ہونٹوں کو گلاب کی پنکھڑی سے تشبیہ دی ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ محبوب کے ہونٹ واقعی گلاب کی پنکھڑی ایسے نازک ہیں۔ ہاں البتہ ان دونوں میں نزاکت کا عنصر کسی درجہ مشترک ہے۔ اس طرح کی اور سینکڑوں مثالیں مل جاتی ہیں۔ مختصر یہ کہ تشبیہ نام ہے کسی ایک چیز کو مشترک وصف کی بنیاد پر کسی دوسری چیز کی مانند قرار دینے کا۔ اس بحث کو جتنا طول دیا جائے دفتر کے دفتر بھرے جاسکتے ہیں۔ مقصود یہی ہے کہ ایک چیز مشترک خوبی کی بنا پر دوسری خوبی سے مشابہت اختیار کرتی ہے۔ اب ہم تشبیہ اور تلمیح کے باہمی تعلق پر بات کرتے ہیں کہ ہمارا اصل مدعا یہی ہے۔ ڈاکٹر مصاحب علی صدیقی لکھتے ہیں:

" تشبیہ سے کلام میں نہ صرف وسعت بلکہ زور پیدا ہو جاتا ہے جو اور کسی طریقہ سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ تلمیح جب تشبیہ کا جامہ پہن لیتی ہے تو اور بھی حسین تر بلکہ موثر ہو جاتی ہے۔ زورِ بیان بڑھ جاتا ہے، معنی و مطالب وسیع ہو جاتے ہیں۔" (۳)

تشبیہ اور تلمیح دونوں بلاغت کی جان ہیں اور بلاغت ادب کی روح ہے۔ لہٰذا جب تشبیہ اور تلمیح میں باہم ربط پیدا ہوتا ہے تو کلام بلاغت کی معراج پر ہوتا ہے۔ تخلیق کار کا مقصد جہاں خیالات کا اظہار ہے وہیں اس اظہار کا ابلاغ بھی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی تخلیق بلاغت کے عنصر سے بھرپور ہو۔ اس لیے وہ بیان و بدیع کا شعوری سہارا لیتا ہے اور کبھی یہ بیان و بدیع غیر شعوری طور پر اس کے کلام میں سما کر کلام کو خوب صورتی اور بلاغت سے مزین کرتے ہیں۔ تلمیح جب لباسِ تشبیہ میں کلام میں در آتی ہے تو کلام کو جان دار اور خوب صورت بنا دیتی ہے جیسے کسی شخص کی شجاعت کا بیان مقصود ہو تو اسے " رستم " سے تشبیہ دینا۔ " رستم " ایران کا ایک شجاع تھا جو اپنی جوانمردی کی بنا پر دنیا میں مشہور و مقبول ہے۔ " رستم " ایک تلمیح ہے اور جب کسی بہادر شخص کو رستم سے تشبیہ دی جائے گی تو کلام میں زور پیدا ہو گا۔ اگر اس شخص کو یوں کہا جائے کہ وہ

بہادری میں بے مثل ہے تو وہ لطف پیدا نہیں ہوتا جو رستم سے تشبیہ دینے کی وجہ سے کلام میں آیا۔ اسی طرح جب طبیب کو مسیح سے تشبیہ دی جاتی ہے تو کلام میں زور پیدا ہوتا ہے۔ مسیح حضرت عیسٰیؑ کو کہا جاتا ہے۔ حضرت عیسٰیؑ بیماروں کو شفا دینے اور مردوں کو زندہ کرنے کے لیے مشہور تھے۔ اب اگر کسی طبیب کو حضرت عیسٰیؑ سے تشبیہ دی جائے تو کلام میں بلاغت کا عنصر جنم لیتا ہے۔ اسی طرح کسی خوب صورت شخص کو حضرت یوسفؑ سے تشبیہ دی جائے تو تشبیہ کے ساتھ تلمیح کا عنصر بھی آگیا اور کلام مزید جان دار بھی ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ خوب صورتی میں دس میں سے نو درجے حضرت یوسفؑ کو عطا کیے گئے تھے۔ حضرت یوسفؑ کے حسن سے متاثر ہو کر زلیخا کی دیوانگی کا عالم کون نہیں جانتا۔ اب خوب صورتی کا جو تصور ایک لفظ حسنِ یوسف کی تلمیح سے پیدا ہوتا ہے وہ طویل عبارت سے بھی نہیں ممکن اور نہ زورِ کلام بڑھتا ہے۔

" یہ شوق شہادت کا تھا اس عاشقِ رب کو
یعقوب نمط جاتے تھے یوسف کی طلب کو" (۴)

اس شعر میں حضرتِ حسینؓ کے شوقِ شہادت کو حضرت یعقوبؑ کی الفتِ یوسف سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ کی تلاش میں دیوانہ وار نکل پڑے تھے۔ حضرت یوسفؑ کی جدائی میں حضرت یعقوبؑ کی رو رو کر بصارت جاتی رہی لیکن ملاقات کی طلب ختم نہیں ہوئی۔ متذکرہ بالا شعر میں شوقِ شہادت کو جس تلمیحی انداز میں پیش کیا گیا ہے وہ مؤثر ہے۔ صرف لفظ یعقوب کے استعمال سے بلاغت کا بحر بیکراں موجزن ہو جاتا ہے۔ بلا کا اختصار پیدا ہوتا ہے اور معانی و مفاہیم کا تسلسل بھی برقرار رہتا ہے۔ اس طرح کی سینکڑوں مثالیں ہمارے ادب میں مل جائیں گی لیکن ہمارا مقصود معاصرین نعت گو شعرا کے کلام میں تلمیحات کی تلاش ہے۔ سو ہم منتخب شعرا کے کلام میں تشبیہاتی تلمیحات کو تلاش کرنے کی سعی کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ شعرا نے اپنی نعت میں کس قدر تشبیہاتی تلمیح کا استعمال کیا ہے اور اس کے ذریعے اپنے کلام کو بلاغت کے کس درجے پر لے جاتے ہیں۔

ریاض مجید:

ریاض مجید کے کلام میں تلمیحات کے ساتھ تشبیہات کا استعمال بڑے منفرد اور نہایت خوب صورت انداز میں ملتا ہے۔ وہ اپنے نعتیہ کلام میں تلمیحات کو تشبیہات کی صورت میں یا تلمیحات کے ساتھ تشبیہات کو جمع کر کے کلام کو بلاغت کے درجے پر فائز کرنے کی سعی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

"تصور غیر ممکن رفعت و شانِ محمدؐ کا
عبث ہے ڈھونڈنا جس طرح آدم کے اب و جد کا"

(ریاض مجید، سیدنا کریم، ص ۲۷)

مندرجہ بالا شعر میں "آدم" کی تلمیح لائی گئی ہے۔ اس کا بیان قرآنی تلمیحات کی مد میں کیا جا چکا ہے۔ یہاں صرف تشبیہ کا جائزہ لیتے ہیں۔ شاعر نے حضور اکرمؐ کی رفعت و شان کے تصور کو حضرت آدمؑ کے آباؤ اجداد کی تلاش سے تشبیہ دی ہے۔ جیسے حضرت آدمؑ کے آباؤ اجداد کا سراغ لگانا عبث ہے (کیوں کہ اللہ نے انھیں بغیر ماں باپ کے پیدا کیا اور تمام نسلِ انسانی کی ابتدا آدمؑ ہیں) اسی طرح حضور اکرمؐ کی شان و رفعت کا تصور میں لایا جانا ممکن نہیں ہے۔ کیوں کہ اللہ نے حضور اکرم ﷺ کی شانِ اقدس کی کوئی حد مقرر ہی نہیں کی۔

"ملے اک پل جو مواجہ پہ حضوری والا
اہلِ نسبت اسے عمرِ خضری کہتے ہیں"

(ریاض مجید، سیدنا کریم، ص ۱۰۴)

اس شعر میں حضور اکرمؐ کے دربارِ اقدس میں حاصل ہونے والی حضوری کے ایک پل کو حضرتِ خضرؑ کی طویل العمری سے تشبیہ دے کر شعر میں خوب صورتی کا عنصر پیدا کیا گیا ہے۔

"درود کا نور ضو فگن ہے نفس نفس میں
زبان سورج، نگاہ قندیل ہو رہی ہے"

(ریاض مجید، سیدنا رحیم، ص ۶۳)

اس شعر میں زبان کو سورج اور نگاہ کو قندیل سے تشبیہ دی گئی ہے۔ وجۂ تشبیہ یہ ہے کہ جیسے سورج اور قندیل روشن رہتے ہیں ایسے ہی درود پاک کی مناسبت سے ہماری زبان پاک اور نگاہ روشن ہو گئی ہے۔

"زمیں پہ خاک کے پیکر میں نور اترا ہے
حیات آپؐ کی قرآن ہی کی صورت ہے"

(ریاض مجید، سیدنا رحیم، ص ۶۷)

اس شعر میں حضور اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ کو قرآن مجید سے تشبیہ دی گئی ہے جیسے قرآن ہر طرح کے عیوب سے پاک و مبرا ہے، ایسے ہی حضور اکرم ﷺ کی زندگی ہر طرح کے عیوب سے پاک ہے۔

"بسر حیات کو کرتے ہیں ہم اویس انداز
ہم اپنے دل کو مدینہ بنا کے رکھتے ہیں"

(ریاض مجید، سید نا رحیم، ص ۷۹)

شاعر اپنی زندگی کو حضرت اویس کی زندگی سے تشبیہ دے رہے ہیں اور اپنے دل کو مدینہ سے۔ جیسے حضرت اویس نے حضورؐ کو اپنے دل میں بسائے رکھا ایسے ہی ہم حضور اکرمؐ سے دور ہیں لیکن ہم نے آپؐ کی محبت میں اپنے دل کو شہر طیبہ تصور کر لیا ہے اور اس میں آپ ﷺ کی محبت محفوظ رکھی ہے۔

"والشمس وہ جبیں ہے تو ہے والضحیٰ وہ رُخ
واللیل کی مثال ہیں گیسوئے مصطفیٰ"

(ریاض مجید، سید نا رحیم، ص ۹۰)

اس شعر میں حضور اکرمؐ کی جبین مبارک کو " والشمس" (سورج) ، چہرہ مبارک کو " والضحیٰ" (روشن دن) اور زلفِ مبارک کو" واللیل" (رات) سے تشبیہ دی گئی ہے۔ وجۂ تشبیہ یہ ہے کہ جیسے سورج روشن ہوتا ہے اسی طرح آپؐ کی جبین مبارک روشن تھی اور جب سورج روشن ہوتا ہے تو وہ دن کو بھی روشن کر دیتا ہے لہٰذا جبین کے ساتھ آپؐ کا چہرہ مبارک بھی روزِ روشن کی طرح تھا اور زلف کو رات سے تشبیہ دینے کی وجہ سیاہی ہے، جیسی گھنی اور سیاہ رات ہوتی ہے ایسی ہی حضور اکرم ﷺ کی زلفیں تھیں۔

تشبیہات شاعری کا حسن ہیں۔ ریاض مجید نے تلمیحات کو تشبیہات کے ساتھ اس قدر مہارت سے برتا ہے کہ کلام کا حسن دوبالا ہو گیا۔ تشبیہاتی تلمیحات کے استعمال سے جہاں ایک طرف شاعر کے نعتیہ لغت میں لفظیات کا اضافہ ہوا وہیں کلام بلاغت کے درجۂ کمال تک پہنچ گیا۔ ریاض مجید نے حضور اکرم ﷺ کی شان و رفعت کو حضرت آدمؑ کے آباو و جداد سے تشبیہ دے کر یہ باب ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ حضور ﷺ کی شان کے تصور کا غیر ممکن ہونا اس قدر مہارت سے باندھا کہ اس باب میں یہ حرفِ آخر معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ زبان کو سورج اور نگاہ کو قندیل سے تشبیہ دینا بھی کلام میں حسن و زیبندگی کا سبب ہے۔ حیات کو اویس انداز بسر کرنے کی نظیر بھی نہیں ملتی۔ ریاض مجید نے ان نادر تشبیہات کے ذریعے اپنے کلام کو حسن کے درجۂ کمال تک پہنچا دیا ہے۔

عزیز احسن:

"اس روح کے لیے تو مدینہ ہی چاند ہے
زندہ رہے چکور تو کیسے قمر سے دور"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص۴۱۶)

"روح" کو "چکور" اور "مدینہ" کو "چاند" سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسے چکور چاند کا عاشق ہوتا ہے اور مسلسل اسی کی طرف محوِ سفر رہتا ہے ایسے ہی ہماری روح مدینہ کے عشق میں مبتلا ہے اور اب اس کا ہجرِ مدینہ میں زندہ رہنا دوبھر ہو گیا ہے، بالکل ایسے ہی جیسے چاند سے دور رہ کر چکور کا جینا۔

"ذکرِ اصحابِ گرامی بھی ہے مدحت ان کی
نجم کی بات بھی ہے ماہ کے انوار کی بات"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص۵۱۹)

"ذکر اصحاب" کو "نجم" اور "مدحتِ رسول" کو ماہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جیسے نجم یعنی ستارہ چاند سے روشنی حاصل کرتا ہے اسی طرح صحابہ کرام نے حضورؐ سے دین کی روشنی حاصل کی۔ سو جیسے ستارے کی تعریف کرنا چاند کی تعریف کے مترادف ہے کیوں کہ ستارے نے چاند سے روشنی حاصل کی۔ اسی طرح اصحابِ رسول کی تعریف کرنا خود حضور ﷺ کی مدحت بیان کرنا ہی ہے۔

"جو حاضری کی سعادت ملے تو اس در پر
فسانہ دل کا برنگِ زبور اشک کہیں"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص۶۸۳)

یہاں داستانِ غمِ دل کو زبور سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جیسے حضرت داؤدؑ اپنے لحنِ پُرسوز سے زبورِ مقدس کی تلاوت فرماتے تھے، ایسے ہی اگر ہمیں درِ رسولؐ کی حاضری نصیب ہو جائے تو ہم صدائے پُرسوز میں اپنی محبت و عقیدت اور اپنی تڑپ کا احوال بیان کریں۔

"توفیقِ مدح پائی یہ کم تو نہیں عزیز
خوش ہوں کہ میں بھی طورِ ثنا کا کلیم ہوں"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص۶۹۷)

مدحتِ مصطفیٰ ﷺ کو کوہِ طور پر حضرت موسیٰؑ کی اللہ سے گفتگو سے تشبیہ دی جارہی ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ کوہِ طور پر اللہ سے گفتگو کرتے ایسے ہی ہم حضرت موسیٰؑ کی مثال حضور اکرمؐ کی خدمتِ اقدس میں اپنے دل کا حال احوال پیش کرتے ہیں اور جیسے حضرت موسیٰؑ کی باتیں رب تعالیٰ سنتا تھا ایسے ہی ہماری نعوت، حضور اکرمؐ سماعت فرماتے ہیں۔

عزیز احسن نے انوکھی اور نادر تشبیہات کے ذریعے جہاں اپنے کلام کو ظاہری حسن سے دوچار کیا، وہیں کلام میں بلاغت کا عنصر بھی شامل کر دیا۔ جس مہارت سے روح کو چکور اور مدینہ کو چاند سے تشبیہ دی ہے اس کی نظیر نہیں۔ ایسی تشبیہاتی تلمیحات کا استعمال ہماری نعتیہ روایت میں خال خال ہی ملتا ہے۔ اصحابِ رسول کے ذکر کو نجم سے تشبیہ دینا بھی کمال ہنر کاری ہے۔ اس سے جہاں شعر کی لفظیات پر اثر ہوا وہیں شاعر کی موضوعاتی وسعت میں بھی قابلِ قدر اضافہ ہوا۔ دردِ دل کو زبور سے تشبیہ دے کر شاعر نے اسے مجسم صورت میں ڈھال دیا۔ اس کے ساتھ ہی خود کے لیے "طورِ ثنا کا کلیم" کے الفاظ لانا جہاں شاعر کی عظمت کا ثبوت ہے وہیں ذکرِ رسول کی عظمت و بلندی کا بیان بھی ہے۔ جس نے کلام کے حسن کو چار چاند لگا دیے۔ عزیز احسن نے مذکورہ تلمیحات کے استعمال سے اپنے نعتیہ لغت میں لفظیات کا خوب صورت اضافہ کیا ہے۔

صبیح الدین رحمانی:

"حسنین یوں حضورؐ کے آغوش و دوش پر
اعراب جیسے آیۂ قرآں کے اردگرد"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص۸۶)

اس شعر میں حضور اکرمؐ کے اپنے پیارے نواسوں کو گود میں اٹھانے اور کاندھوں پر سوار کرا کے مدینے کی گلیوں کی سیر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ جیسے قرآن کی آیات کے اردگرد "اعراب" لگائے گئے ہیں، جو آیات کی خوب صورتی کا سبب بھی ہیں اور انھی کی وجہ سے قرآن مجید کی آیات کا ٹھیک طور پر تلفظ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حضورؐ کے نواسے (جو کہ کبھی آپؐ کی گود میں بیٹھے دکھائی دیتے ہیں تو کبھی آپؐ کے دوش پر سوار ہوتے ہیں) امت کے لیے بہت ضروری ہیں۔ امت انھی کے ذریعے حضور اکرمؐ کی سیرت کو جان سکتی ہے۔

"اصحاب یوں ہیں شاہِ رسولاں کے ارد گرد
جیسے ستارے ماہِ درخشاں کے ارد گرد"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص۸۶)

اس شعر میں حضور اکرم ﷺ کو" ماہِ درخشاں" اور آپؐ کے اصحاب کو" ستاروں" سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جیسے ستارے چاند کے ارد گرد رہتے ہیں اور اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں اسی طرح اصحابِ رسول، آپؐ کے ارد گرد رہتے اور آپؐ سے کسبِ فیض کرتے دکھائی دیتے تھے۔

"روح سورج کی طرح، جسم اجالے کی مثال
کیسے الفاظ میں ڈھالوں میں وہ تصویرِ جمال"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص:۲۱۹)

لفظ "سورج" بطور تلمیح لایا گیا ہے، حضور اکرمؐ کی روح کو سورج سے تشبیہ دی گئی ہے اور جسم کو اجالے سے۔ جیسے سورج نور ہے اور روشن رہتا ہے ایسے ہی حضور اکرم ﷺ کی روحِ مبارک نور ہے (جو کہ تخلیقِ نورِ محمدؐ والی حدیث سے ثابت شدہ ہے) اور مسلسل روشنی تقسیم کر رہی ہے اور جیسے اجالا سورج کے سبب ہے، ویسے ہی حضور اکرم ﷺ کا جسدِ مبارک ان کی روحِ مبارک کی نسبت سے پاکیزہ اور روشن ہے۔

صبیح الدین رحمانی نے جس طرح حسنین کریمین کے حضور اکرم کے آغوش و دوش پر ہونے کو آیاتِ قرآنی کے اعراب سے تشبیہ دی، اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایسی تشبیہات ہماری نعتیہ روایت میں کم ہی دکھائی پڑتی ہیں۔ اس تشبیہ سے جہاں شاعر نے کلام کو بلاغت سے روشناس کیا، وہیں کلام کے حسن میں اضافہ بھی کیا۔ پھر حضور اکرم ﷺ کو "ماہِ درخشاں" اور اصحاب کو "ستاروں" سے تشبیہ دینا بھی کمال مہارت کا کام ہے۔ یہاں شاعر نے ایک طرف حضور اکرم ﷺ کی حدیثِ مبارکہ کی طرف اشارہ کیا تو ساتھ ہی بزمِ مصطفیٰ کے خوب صورت و دل کش منظر کو شعر کے قالب میں ڈھال دیا۔

مقصود علی شاہ:

"والفجر ترا چہرہ، واللیل ترے گیسو
اظہار تری طلعت، امکان تری خوشبو"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص ۶۵)

اس شعر میں حضور اکرمؐ کے چہرہ مبارک کو" والفجر" (صبح) سے تشبیہ دی گئی ہے، وجۂ تشبیہ یہ ہے کہ جیسے صبح روشن ہوتی ہے ایسے ہی حضور ﷺ کا رخِ انور روشن ہے۔ " گیسوئے مبارک" کو "واللیل" (رات) سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مشترک صفت سیاہی ہے جیسے رات سیاہ ہوتی ہے ایسے ہی حضور اکرمؐ کی زلفیں سیاہ ہیں۔ اس شعر میں مشبہ اور مشبہ بہ موجود ہیں۔ حرفِ تشبیہ نہیں ہے۔ اردو قواعد میں دو چیزوں میں صفتِ مشترک ہے اور کلام میں دونوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے تو اسے تشبیہ ہی تسلیم کیا جائے گا خواہ حرفِ تشبیہ موجود نہ ہو۔

" رہنے دے مرے شوق کو بس بحرِ ثنا میں
مر جاتی ہے لمحوں میں، جو بے آب ہو ماہی"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص ۹۴)

شوق کو ماہی (مچھلی) سے تشبیہ دیتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ اسے " بحرِ ثنا" میں رہنے دیا جائے ورنہ جیسے مچھلی پانی سے نکلنے کے بعد چند لمحوں میں مر جاتی ہے اسی طرح ہمارا شوق، ہمارا عشق بحرِ ثنا سے نکل کر تڑپنے لگے گا۔ اس بات کا بیان بہ الفاظِ سادہ بھی کیا جا سکتا تھا کہ " مرے شوق کو ثنائے محمد ﷺ کرنے دیجیے"۔ لیکن شاعر نے ماہی کی مثال سے کلام کو مزید جان دار کر دیا ہے۔ گویا اس تشبیہ نے شعر کو بلاغت آشنا کیا ہے۔

"دیکھ سورج سے نہیں مانگتے انوار کی بھیک
یہ مدینہ ہے یہاں شوق پہ اصرار مکن"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص ۱۰۱)

شہرِ مدینہ کو سورج سے تشبیہ دی گئی ہے، وجۂ تشبیہ روشنی ہے۔ جیسے سورج سے روشنی کی بھیک نہیں مانگی جاتی، ایسے ہی مدینے میں اپنی خواہشاتِ شوق کا اصرار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سورج کی روشنی خود بخود ہر چیز تک پہنچ جاتی ہے، اسی طرح مدینہ میں آرزوئیں بغیر مانگے پوری کر دی جاتی ہیں۔

"ممکن نہیں حروف سے تخلیق نعت کی
کِھلتا ہے یہ گلاب، کرم کی مطور سے"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص ۲۱۶)

" نعت" کو گلاب سے تشبیہ دی گئی ہے، وجۂ تشبیہ خوب صورتی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ مدحت کا گلاب کرمِ آقاؐ سے کِھلے گا۔ حرف ولفظ کی اتنی بساط کہاں کہ وہ آپؐ کی مدحت بیان کر سکیں۔

مقصود علی شاہ نے اپنی نعوت میں کئی نادر اور اچھوتی تلمیحات کو تشبیہ کے پیرائے میں برتا ہے۔ یہ تلمیحات جہاں کلام میں حسن و زیبندگی کا سبب ہیں، وہیں ان کے استعمال سے شاعر کے نعتیہ لغت میں لفظیات اور کلام کی معنوی وسعتوں میں خوب صورت اضافے ہوئے ہیں۔ "شوق" کو "ماہی" سے تشبیہ دینے کی مثال ہماری نعتیہ روایت میں کہیں نہیں ملتی۔"نعت" کو گلاب سے تشبیہ دینا بھی شاعر کے کمالِ فن کی دلیل ہے۔

شاکر القادری:

"شب بھر رخِ والشمس سے دریوزہ گری کو
کشکول کی صورت میں نکلتا ہے سدا چاند"

(شاکر القادری، چراغ، ص۱۰۱)

" چاند" کو کشکول سے تشبیہ دی گئی ہے، قدرِ مشترک دونوں کی گولائی ہے۔ چاند، سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ یہاں حضور اکرمؐ کے رخِ انور کو" والشمس " (سورج) کہا گیا ہے اور چاند آپؐ کے رخِ انور سے بھیک مانگنے کے لیے خود کو کشکول کی صورت میں ڈھال لیتا ہے۔ یاد رہے کہ چودھویں رات کا چاند مکمل ہوتا ہے اس لیے اس کی صورت کشکول ایسی گول ہو جاتی ہے اور اسی تاریخ میں چاند کی روشنی زیادہ ہوتی ہے۔

" کبھی وہ حجرۂ دل میں ذرا قیام کرے
مرا نصیب بھی جاگے کبھی حرا کی طرح"

(شاکر القادری، چراغ، ص ۱۱۱)

اس شعر میں دل کو حرا سے تشبیہ دی گئی ہے، جیسے حضور اکرمؐ کے قیام کی بدولت غارِ حرا کی عظمت و توقیر میں اضافہ ہوا، ایسے ہی اگر وہ میرے دل میں قیام کریں تو اس کے نصیب بھی جاگ جائیں اور زمانے میں اس کی بھی عظمت و توقیر ہونے لگے۔

شاکر القادری نے چاند کو کشکول سے تشبیہ دے کر کلام کو بلاغت عطا کی۔ ایسی خوب صورت تشبیہاتی تلمیحات نعتیہ شاعری میں کم ہی دکھائی پڑتی ہیں۔ شاکر القادری نے ایسی نادر تلمیحات سے نہ صرف کلام کو

حسنِ شعری سے مزین کیا، بلکہ اپنے فکری دائرہ کار میں وسعت بھی پیدا کی۔ اسی طرح اپنے دل کو "غارِ حرا" سے تشبیہ دے کر حضور اکرم ﷺ کے غار حرا پر جانے کی خوب صورت منظر نگاری کی گئی ہے۔

دلاور علی آزر:

"پُلِ صراط پہ چلنا ہے نعت بھی آزر
کسی طرح نہ بڑھایا نہ ان کو کم کیا جائے"

(دلاور علی آزر، سیدی، ص۳۹)

" نعت" کو" پلِ صراط" سے تشبیہ دی گئی ہے۔ پل صراط کے بارے میں احادیث کی کتب میں ہے کہ وہ بال کی طرح باریک اور سخت دشوار راستہ ہے۔ اس پر سے گزرنا انتہائی مشکل ہے۔ اس شعر میں نعت کو اس باریک اور دشوار گزار راستے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسے اس راستے سے بہت محتاط ہو کر گزرنا پڑتا ہے اسی طرح مدحتِ رسولؐ میں بھی بے حد احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ نہ تو ہم شانِ محمد ﷺ کو بڑھا کر شانِ احد تک لے جانے کی غلطی کر سکتے ہیں اور نہ ہی ہم شانِ رسالت میں کسی طرح کی کمی کی گستاخی کر سکتے ہیں۔

"قدم پڑے ہیں مدینے کی خاک پر کس کے
کہ چپہ چپہ زمیں، طور کا علاقہ ہے"

(دلاور علی آزر، نقش، ص ۵۹)

سرزمینِ مدینہ کو طور سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسے نورِ خدا کی تجلی سے طور روشن ہوا، ایسے ہی حضور اکرم ﷺ کی آمد سے مدینہ روشن ہو گیا۔ جیسے طور کی عظمت ذاتِ خدا کی تجلی کے سبب ہے، ایسے ہی مدینہ کی عظمت حضور اکرم ﷺ کی وجہ سے ہے۔

"اسی چراغ نے روشن کیا ستارۂ نور
خمیرِ ذاتِ محمدؐ ہے استعارۂ نور

چمک دمک ہے الگ اس کی ہر دو عالم میں
قدِ حضورؐ ہے دراصل اک منارۂ نور"

(دلاور علی آزر، نقش، ص ۷۴)

اول الذکر شعر میں حضور ﷺ کو چراغ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسے چراغ سماں کو روشن کرتا ہے ایسے ہی حضور ﷺ کی نسبت سے تمام جہاں روشن ہے۔ دوسرے شعر میں حضور اکرمؐ کے قدِ مبارک کو نور کے منارے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

"اس تیرگی میں راہ کی پہچان کے لیے
قولِ نبیؐ چراغ ہے انسان کے لیے"

(دلاور علی آزر، نقش، ص ۸۶)

"قولِ نبیؐ" سے مراد حدیثِ رسول ہے، حدیث کو چراغ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسے اندھیرے راستے میں چراغ روشن ہو کر آسانی پیدا کرتا ہے، اسی طرح قولِ رسولؐ اس دنیا میں انسان کی راہنمائی کرتا ہے۔

دلاور علی آزر نے نعت کو پلِ صراط سے تشبیہ دے کر اس فن کی نزاکت کو کمال مہارت سے قلم بند کیا ہے۔ مدینہ کی خاک کو طور، حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کو چراغ اور قدِ حضورؐ کو نور کے منارے سے تشبیہ دینا شاعر کے کمالِ فن کی علامت ہے۔ ایسی نادر تشبیہات نہ صرف کلام کے حسن میں اضافہ کرتی ہیں بلکہ کلام کی تفہیم کے لیے بھی کارگر ثابت ہوتی ہیں۔

ب۔ استعاراتی تلمیح:

تشبیہاتی تلمیح کی طرح استعاراتی تلمیح پر بات کرنے سے قبل ہم یہ جان لیتے ہیں کہ استعارہ کیا ہے؟ استعارہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی ادھار لینے کے ہیں۔ " اردو لغت" میں استعارہ کے معنی کچھ یوں ہیں:

" ا۔ مستعار لینا، عارضی طور پر مانگ لینا۔
۲۔(بیان) لفظ کا مجازی معنی میں استعمال جب کہ حقیقی اور مجازی معنی میں تشبیہ کا علاقہ ہو، مشبہ بہ سے مشبہ مراد لینا، جیسے شیر (مشبہ بہ) بول کر مردِ شجاع (مشبہ) مراد لیا جائے۔" (۵)

علمِ بیان کی اصطلاح میں کسی ایک چیز کو بعینہ دوسری چیز قرا دے دینا اور اس دوسری چیز کے لوازمات پہلی چیز سے منسلک کر دینا، استعارہ کہلاتا ہے۔ سجاد مرزا بیگ استعارہ سے متعلق لکھتے ہیں:

" وہ لفظ جو غیر وضعی معنوں میں استعمال ہو اور حقیقی و مجازی معنوں میں تشبیہ کا علاقہ ہو، نیز مشبہ یا مشبہ بہ کو حذف کر کے ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کرتے ہیں لیکن کوئی ایسا قرینہ بھی ساتھ ہی ظاہر کرتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے کہ متکلم کی مراد حقیقی معنوں کی نہیں ہے۔" (۶)

رفیع رضا لکھتے ہیں:

" استعارہ سے مراد حقیقی اور مجازی معانی کے درمیان تشبیہ کا ماحول پیدا کرنا ہے یعنی حقیقی معانی کا لباس مجازی معانی کو پہنانا استعارہ کہلاتا ہے۔" (۷)

متذکرہ بالا تعریفات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ استعارہ مجاز کی ایک قسم ہے جس میں کسی لفظ کو اس کے معانی کی مناسبت سے دوسرے لفظ کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی لفظ کو مختلف معانی میں برتنے کے لیے ادھار لیا جاتا ہے۔ استعارہ میں لفظ کو مجازی معنوں میں استعمال تو کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہونا ضروری ہے ۔ یہاں حرفِ تشبیہ موجود نہیں ہوتا۔ مثلاً ندیم شیر ہے ۔ استعارہ ہے۔ اب اگر یہی بات یوں کہی جاتی کہ ندیم شیر جیسا ہے تو اسے ہم تشبیہ کا نام دیتے لیکن یہاں ندیم کو بعینہ شیر قرار دیا گیا ہے۔ اس مثال میں حرفِ تشبیہ موجود نہیں ہے لہٰذا اسے ہم استعارہ کا نام دیتے ہیں۔ تشبیہ میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں پائے جاتے ہیں اور ان میں ربط حرفِ تشبیہ پیدا کرتا ہے لیکن استعارہ میں مشہ بہ کو ہی مشبہ تصور کر لیا جاتا ہے اور مشبہ بہ کی تمام خوبیاں مشبہ کے ساتھ منسلک کر دی جاتی ہیں ۔ اکثر اوقات استعارہ زبان میں اس قدر استعمال ہونے لگتا ہے کہ اس لفظ کا حقیقی معنی میں استعمال بالکل ترک کر دیا جاتا ہے یا بہت کم استعمال میں لایا جاتا ہے۔ جیسے متقی لفظ کا مطلب " محتاط شخص" ہے لیکن اسے اردو میں خدا کے معاملہ میں محتاط یا پرہیز گار شخص کے لیے بہ طور استعارہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہ ہونے کے برابر ہے اس طرح کے اور کتنے ہی الفاظ ہیں جن کا استعمال زبان میں اس قدر عام ہو چکا ہے کہ وہ اب اپنے مجازی معنوں میں ہی استعمال ہوتے ہیں۔ ان کے حقیقی معنوں سے آشنائی بہت کم افراد کو ہے۔

استعارے دو طرح کے ہیں: استعارہ بالتصریح جس میں حرف مشبہ بہ کو لایا جاتا ہے مثلاً شیر کہیں اور بہادر مرد مراد لیں۔ دوم؛ استعارہ بالکنایہ ہے جس میں فقط مشبہ کو لایا جاتا ہے مثلاً موت کے پنجے سے چھوٹے۔ موت درندے سے استعارہ بالکنایہ ہے۔

استعارہ کے ارکان ذیل ہیں:

ا۔ مستعار لہ:۔ وہ چیز جس کے لیے کوئی لفظ مستعار لیا جائے۔

۲۔ مستعار منہ: وہ چیز جس سے کوئی نام ادھار لیا جائے۔

۳۔ وجہ جامع: مستعار لہ اور مستعار منہ میں جو خوبی مشترک ہو اسے وجہ جامع کا نام دیا جاتا ہے۔

تشبیہ کی طرح استعارہ بھی جب تلمیح کے ساتھ کلام میں جمع کیا جاتا ہے تو اس کا مقصد کلام کا ابلاغ ہی ہے۔ استعارہ، تلمیح کے ساتھ مل کر کلام میں لطافت اور زیبائش پیدا کرتا ہے۔ ڈاکٹر مصاحب علی صدیقی کے بقول:

> " تشبیہ و استعارہ نہ صرف شاعری بلکہ عام زبان آوری کے خط و خال ہیں جن کے بغیر انشا پردازی کا جمال قائم نہیں رہ سکتا۔ ایوانِ شاعری میں انہیں کے گل بوٹوں سے بہار کی دلہن سجائی جاتی ہے۔ ندرت اور لطافت کے جوہر انہیں سے دکھلائے جاتے ہیں۔ روزانہ کی زندگی انہیں کے تاثرات سے بھری رہتی ہے۔" (۸)

ڈاکٹر مصاحب علی صدیقی کے اس بیان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ استعارہ نہ صرف شاعری بلکہ عام بول چال کی زبان میں بھی اس قدر رچ بس گیا ہے کہ اب اس کے بنا سخن ہو یا عام بول چال بے معنی معلوم ہوتے ہیں اور تلمیح کے باب میں بھی یہ بات صادق آتی ہے۔ ادب کی طرح ہماری عام بول چال کی زبان میں بھی کئی تلمیحات در آئی ہیں جن سے ادائے مطلب میں کافی حد تک آسانی ہو جاتی ہے اور جب یہ دونوں یعنی تلمیح اور استعارہ کلام میں یک جا کر دیئے جائیں یا تلمیح کو استعارے کی صورت پیش کیا جائے تو کلام بلاغت کی معراج کو پہنچ جاتا ہے۔

"کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے"

(انیس: ریختہ)

متذکرہ بالا شعر میں شیر استعارہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ یہاں شیر سے مراد جنگل کا درندہ ہرگز نہیں، بلکہ شیر کی شجاعت اس کی بہادری مراد ہے جو لفظ شیر سے ادھار لے کر حضرت عباس کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ حضرت عباس جب خیمۂ حسینی کے تشنہ بچوں کے لیے پانی لینے میدان میں اترے تو دشمن کی فوج پر ایسے لرزہ طاری ہو گیا، جیسے شیر کی آواز سے سارا جنگل لرز جاتا ہے۔ شاعر نے زورِ کلام کے لیے حضرت عباس

کو شیر کہا اور اس جان دار انداز سے اپنا مدعا بیان کیا کہ کلام میں ابلاغ کا عنصر اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ فگن ہے۔ استعارہ جب تلمیح کے ساتھ ملتا ہے تو اظہار کو بھرپور ابلاغ سے آراستہ کرتا ہے۔ڈاکٹر مصاحب علی صدیقی کے بقول:

" استعارہ ادائے مطلب کا بہترین اور پسندیدہ جزوِ کلام ہے جو تلمیحات کے ساتھ اس طرح وابستہ رہتا ہے جیسے سورج کے ساتھ اس کی روشنی اور گرمی۔"(۹)

یعنی استعارہ اور تلمیح کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ تلمیحات اکثر و بیشتر استعارہ کے لباس میں ہی کلام میں لائی جاتی ہیں۔ جس سے کلام میں خوب صورتی کے ساتھ ساتھ ابلاغ کا عنصر بھی پیدا کیا جاتا ہے۔ اس کی سینکڑوں مثالیں ہمارے اردو ادب میں مل جائیں گی۔ لیکن ہم یہاں زیرِ تحقیق مقالہ کے لیے منتخب نعت گو شعرا کے نعتیہ کلام میں استعاراتی تلمیح پر بات کرتے ہیں تا کہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ معاصرین نعت گو شعرا تلمیح کا استعمال اپنے کلام میں کس حد تک کرتے ہیں اور کس درجہ اپنے کلام کو استعاراتی تلمیح سے مزین کرتے ہیں۔

ریاض مجید:

ریاض مجید کے کلام میں استعاراتی تلمیحات کا استعمال بہت کم ملتا ہے۔ ان کے کلام میں تشبیہاتی تلمیحات اور تلمیح کنایہ کا استعمال بہ نسبت استعاراتی تلمیح کے زیادہ ہے اور یہی حال باقی منتخب شعرا کا بھی ہے۔ اردو غزل میں تلمیح کو عموماً استعاراتی انداز میں برتا جاتا ہے لیکن نعت میں اس کی صورت تشبیہ و کنایہ کی ہے۔ تلمیح کا استعاراتی انداز میں استعمال معاصرین نعت گو شعرا کے یہاں بہت کم ہے پھر بھی زیرِ تحقیق مقالہ میں ہم چند استعاراتی تلمیحات کا جائزہ لیتے ہیں:

"گھروں سے لے دلوں تک ظہورِ نور اس کا
ہو کوئی دور وہ ماہِ منیر سب کے لیے"

(ریاض مجید، سیدنا رحیم، ص ۶۹)

اس شعر میں حضور اکرمؐ کے لیے " ماہِ منیر " کی تلمیح بطور استعارہ لائی گئی ہے۔ماہ یعنی چاند، روشن اور خوب صورت ہوتا ہے اس لیے حضور اکرمؐ کے لیے " ماہِ منیر " کے الفاظ مستعار لیے گئے ہیں۔ماہِ منیر اور حضور اکرمؐ میں قدرِ مشترک خوب صورتی ہے، اسی بنا پر حضور اکرمؐ کے لیے یہ الفاظ مستعار لیے گئے ہیں۔

" سفر ہے در پیش سدرہ المنتہائے فن کا
کہ عالمِ ہُو میں ذات تحلیل ہو رہی ہے "

(ریاض مجید، سیدنا رحیم، ص ۶۴)

یہاں نعتِ رسولِ مقبول ﷺ کے لیے " سدرہ المنتہیٰ " کی تلمیح بہ طور استعارہ استعمال کی گئی ہے، "سدرہ المنتہیٰ " سات آسمانوں کے اوپر ایک بلند مقام ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ اس سے آگے بڑھنے کی اجازت سردارِ ملائکہ حضرت جبرائیلؑ کو بھی نہیں۔ نعتِ رسولؐ بھی " سدرہ المنتہیٰ " کی طرح ایک بلند اور اہم درجہ ہے اس لیے نعت کے لیے " سدرہ المنتہیٰ " کی تلمیح بہ طور استعارہ لائی گئی ہے۔

ریاض مجید نے استعاراتی تلمیحات کا استعمال اپنی نعوت میں کم ہی کیا ہے لیکن استعاراتی تلمیحات کا استعمال ان کے کمالِ فن کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے لیے "ماہِ منیر" کا استعارہ اکثر و بیشتر دکھائی دیتا ہے، لیکن مدحتِ رسول کے لیے "سدرہ المنتہی" کا استعارہ بہت کم لایا جاتا ہے۔ مذکورہ تلمیحات سے شاعر نے کلام کو فصاحت و بلاغت سے مزین کیا ہے۔

صبیح الدین رحمانی:

"گفتگو یاد کریں کھول کے قرآنِ حکیم
پھر انھیں لفظ و معانی کا سمندر لکھیں"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص ۲۱۲)

اس شعر میں " لفظ و معانی کا سمندر " حضور اکرم ﷺ کو کہا گیا ہے۔ جیسے سمندر بہت وسیع ہوتا ہے اور اس کے اندر ہزاروں مخلوقات سمائی ہوتی ہیں اسی طرح حضور اکرمؐ کے ارشادات کا مطالعہ کیا جائے تو اُن میں زندگی کے تمام مسائل پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ اس لیے حضور اکرمؐ کے لیے سمندر لفظ مستعار لیا گیا ہے۔

"نعت کہتا رہا جو دل سے صبیح
وہ بھی حسان ہو گیا ہو گا"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص ۹۲)

دل سے نعتِ نبیؐ کہنے والے کے لیے " حسان " کا استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ حضرت حسان دربارِ رسالت کے شاعر تھے اور آپ کا مقام و مرتبہ تمام نعت گو شعرا سے بلند ہے۔ صبیح الدین رحمانی کہتے ہیں کہ جو صدقِ دل سے نعتِ رسول کہتے رہے وہ اُس مقام و مرتبے کے لائق بن جاتا ہے۔

"اس نام کی برکت سے، اُس ذکرِ حقیقت سے
ہر نعت کا متوالا جامی و سنائی ہے"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص ۸۴)

اس شعر میں نعت کے دیوانوں کے لیے جامی و سنائی کے استعارے لائے گئے ہیں۔ مولانا نور الدین جامی اور حکیم سنائی زبانِ فارسی کے بڑے نعت گو شاعر ہیں۔ فارسی اور اردو ادب میں نعتیہ شاعری کے حوالے سے یہ بڑے اہم نام ہیں اور ان کا یہ مقام و مرتبہ نسبتِ نعت کے سبب ہے۔ شاعر ذکرِ رسول ﷺ کرنے والے ہر شاعر کو جامی و سنائی کا ہم پلہ سمجھتا ہے اس لیے یہ لفظ مستعار لیے ہیں۔

صبیح الدین رحمانی نے نعت گو کے لیے " حسان "، "جامی" اور "سنائی" ایسی تلمیحات کو بطور استعارہ استعمال کیا ہے۔ یہ ایک طرف شاعر کی مذکورہ شخصیات سے عقیدت و محبت کا اظہار ہے، تو دوسری طرف کلام میں حسن و زیبائش کا سبب بھی ہے۔

مقصود علی شاہ:

"میں اُسے پھر جوڑلوں گا نعت کی تدبیر میں
آ کوئی حرفِ طلب! جبریل کے پَر پر اتر "

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص ۱۱۲)

" جبریلؑ کے پَر " کی تلمیح صفحۂ قرطاس کے لیے مستعار لی گئی ہے۔ جبریلؑ فرشتہ ہے جو کہ پاکیزہ مخلوق ہے اور پھر فرشتوں میں بھی جبرائیلؑ کو بلند مرتبہ حاصل ہے۔ اس لیے اُن کے پَر بھی مقدس اور بلند مرتبہ ہیں اور جس صفحۂ قرطاس پر نعتِ نبیؐ رقم کی جا رہی ہو وہ بھی اس ذکر کی نسبت سے ویسا ہی پاکیزہ اور بلند مرتبہ ہو جائے گا جیسے جبرائیلؑ کے پَر، اس لیے صفحۂ قرطاس کے لیے پَرِ جبرائیلؑ کی تلمیح مستعار لی گئی ہے۔ گو کہ یہ مضمون سادہ الفاظ میں بڑی آسانی سے رقم کیا جا سکتا تھا لیکن اس کے لیے " پَرِ جبرائیلؑ" کی تلمیح لا کر اسے مزید خوب صورت اور جاندار بنا دیا گیا ہے۔

"حجرۂ نور سے چمکا وہ سحر کا سورج
گنبدِ سبز میں چھپتا ہوا خاور دیکھا"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص ۲۰۹)

اس شعر میں " گنبدِ سبز " کی تلمیح کے ساتھ سورج یا خاور کے الفاظ استعارے کے طور پر استعمال ہوئے ہیں، سبز گنبد میں چھپا خاور سے مراد حضور اکرمؐ ہیں، سورج روشنی کا استعارہ ہے اور حضور اکرمؐ کی زندگی بحرِ ظلمات میں غرق انسانیت کے لیے ایک روشنی ہی ہے، اس لیے حضور اکرمؐ کے لیے سورج یا خاور کے الفاظ مستعار لیے گئے ہیں۔

" اے قبلۂ مقال، مرے کعبۂ نظر
بہرِ نیاز لایا ہوں یہ حرفِ بے ہنر"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص ۱۲۳)

اس شعر میں حضور اکرمؐ کے لیے قبلہ اور کعبہ کے الفاظ استعارہ کے طور پر استعمال کیے گئے ہیں۔ قبلہ یا کعبہ وہ مقام ہے جس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی جاتی ہے اور عمرہ و حج کی ادائیگی کے دوران اس کا طواف بھی کیا جاتا ہے، کیوں کہ شاعر کی ہر بات حضور اکرمؐ سے متعلق ہی ہے اس لیے وہ حضور اکرم ﷺ کو قبلۂ مقال کہہ کر مخاطب کر رہے ہیں، دل میں عشقِ رسولؐ ہے تو دل و نگاہ ہمہ وقت انھی کی طرف رجوع کرتے ہیں اس لیے کعبہء نظر کی تلمیح مستعار لی گئی ہے۔

"صبحِ بزمِ نو میں ہے یا شامِ تنہائی میں ہے
دل بہر صورت ترے دستِ مسیحائی میں ہے"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص ۱۰۵)

" مسیحائی" کی تلمیح حضور اکرمؐ کے لیے حضرت عیسیٰؑ سے مستعار لی گئی ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھ میں اللہ نے مریضوں کے لیے شفا رکھی تھی اسی طرح حضور اکرم ﷺ کا دستِ مبارک ہمارے غمِ عشق کا علاج ہے۔

"یہ جہانِ رنگ و بو بھی تیری سطوت کی نمود
وہ جہانِ تاب و تب بھی تیری دارائی میں ہے"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص۱۰۶)

اس شعر میں حضور ﷺ کی حکومت وسطوت کا بیان کرنے کی غرض سے " دارائی " کی تلمیح مستعار لی گئی ہے۔ دارا ایران کا بادشاہ تھا، جیسی عظیم الشان اُس کی سلطنت تھی ویسی ہی عظیم الشان آپؐ کی ریاستِ مدینہ تھی اور قیامت کے بعد بھی آپؐ کی حکومت وسطوت رہے گی۔

مقصود علی شاہ نے دیگر منتخب شعرا کی نسبت استعاراتی تلمیحات کا استعمال قدرے زیادہ کیا ہے۔ اُن کے یہاں استعاراتی تلمیحات کی صورت بالکل انوکھی اور نئی ہے۔ جس سے ان کے نعتیہ لغت میں بیش قیمت لفظیات کا اضافہ ہوا ہے۔ "صحفۂ قرطاس" کے لیے "جبریلؑ کے پر"، سبز گنبد کے لیے "خاور"، حضور ﷺ کے لیے "قبلۂ مقال" اور کعبہء نظر"، شفاعت کے لیے "مسیحائی" اور حضور ﷺ کی حکومت وسطوت کے لیے "دارائی" کی تلمیحات، ایسی تلمیحات ہیں جن کا استعمال استعاراتی صورت میں ہماری نعتیہ روایت میں بہت کم کیا گیا ہے۔ ان تلمیحات سے شاعر نے جہاں اپنے نعتیہ لغت میں لفظیات کا اضافہ کیا وہیں کلام کو حسن وبلاغت سے مزین کیا۔

شاکر القادری:

"یہ قیصری، یہ جمی، یہ کئی، یہ فغفوری
ترے چراغ کے آگے اِدھر اُدھر کے چراغ "

(شاکر القادری، چراغ، ص ۵۸)

شاکر القادری نے حضور ﷺ کی حکومت وسطوت کے لیے " چراغ " کا لفظ مستعار لیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جیسے چراغ روشن ہوتا ہے ایسی ہی آپؐ کی حکومت روشن ہے۔ جیسے چراغ اندھیرے میں اُجالا لاتا ہے، ایسے ہی آپؐ کے پیغام کے سبب جہالت کا خاتمہ ہوا اور علم کی روشنی سے سارا جہاں منور ہو گیا۔ قیصری، جمی، کئی، فغفوری ہر طرح کی حکومتیں، ہر طرح کے چراغ، چراغِ ہدایت کے سامنے ماند پڑ گئے۔

"شامِ شبِ الست کا بدرالدجیٰ بھی تُو
اور صبحِ کائنات کا شمس الضحیٰ بھی تُو"

(شاکر القادری، چراغ، ص۵۹)

شاکر القادری نے "بدرالدجیٰ" اور "شمس الضحیٰ" کے الفاظ حضور اکرمؐ کے لیے مستعار لیے ہیں۔ "بدالدجیٰ" تاریک رات کو روشن کر دینے والے چاند کو کہا جاتا ہے۔ چوں کہ حضور اکرمؐ کے وجودِ مسعود سے

جہالت کی تاریکیوں کا خاتمہ ہوا اس لیے آپؐ کے لیے " بدالدجیٰ " کا استعارہ استعمال کیا جاتا ہے۔ " شمس الضحیٰ " سورۂ الشمس کی ابتدائی آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس آیت کا ترجمہ یوں ہے: "سورج اور اس کی دھوپ کی قسم"۔ (١٠) "شمس الضحیٰ " کے معنی روشن سورج کے ہوں گے۔ جیسے سورج کی روشنی ہر طرف پھیل جاتی ہے ایسے ہی آپؐ کے پیغام کی روشنی نے دلوں کو منور کر دیا ہے۔

"اے مہرِ عرب، انجمن آرائے مدینہ

فردوسِ نظر تجھ سے مدینے کی زمیں ہے"

(شاکر القادری، چراغ، ص ٦٢)

اس شعر میں حضور اکرمؐ کو " مہرِ عرب " کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے یعنی حضور اکرمؐ کے لیے " مہر " کا لفظ مستعار لیا گیا ہے۔ "مہر" سورج کو کہا جاتا ہے۔ حضور اکرمؐ کی نسبت سے سرزمینِ مدینہ ایسی پُر نور ہو گئی ہے کہ اس زمین پر جنت کے نظارے دکھتے ہیں۔

"والنجم کی تجلیٰ بے حد کے سامنے

چہرہ ہوا ہے زرد مہ و آفتاب کا"

(شاکر القادری، چراغ، ص ٦٩)

حضور اکرمؐ کے لیے " والنجم " کا لفظ استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ " والنجم " سورۃ " النجم " کی اولین آیت کے الفاظ ہیں۔ " نجم " ستارے کو کہتے ہیں۔ حضور اکرمؐ کے لیے یہ لفظ مستعار لیا گیا ہے۔ مقصود یہ کہ حضور اکرمؐ کی روشنی کے آگے دنیا کے سورج اور چاند یعنی بڑی بڑی شخصیات اور بڑے بڑے سردار و حکمران ہیچ دکھائی دیتے ہیں۔

"آپؐ کے قدموں کی جانب بھی

جنت کا اک ٹکڑا دیکھا"

(شاکر القادری، چراغ، ص ٨٢)

یہاں مدینہ منورہ کے تاریخی قبرستان " جنت البقیع " کو جنت کا ٹکڑا اقرار دیا جا رہا ہے۔ " جنت البقیع " کی فضیلت یہ ہے کہ اس میں اہلِ بیتِ اطہار اور صحاب کی قبورِ مبارکہ ہیں۔ جنت کا ٹکڑا اس لیے کہا گیا کہ جیسے جنت پاکیزہ ارواح کے لیے ہے ویسے ہی اس قبرستان میں پاکیزہ اجسام مدفون ہیں۔

شاکر القادری نے حضور اکرم ﷺ کے لیے قرآنی الفاظ "بدرالدجی"، "شمس الضحی" اور "والنجم" مستعار لیے ہیں۔ اس سے جہاں شاعر کے نعتیہ لغت میں قرآنی الفاظ کا اضافہ ہوا، وہیں کلام میں فصاحت و بلاغت کا حسن اجاگر ہوا۔ حضور اکرم ﷺ کے لیے "مہرِ عرب" کی تلمیح مستعار لے کر شاعر نے شعر کو مزید خوب صورت بنادیا ہے۔

دلاور علی آزر:

"آ کر یہاں ملتے ہیں چراغ اور ستارہ
لگتا ہے اسی غار میں دربارِ دو عالم"

(دلاور علی آزر، نقش، ص ۴۴)

اس شعر میں غارِ حرا کا تذکرہ کیا جارہا ہے یہ وہ غار ہے جہاں حضور اکرمؐ خلوت نشین تھے اور حضرت جبرائیلؑ اللہ کا پیغام لے کر تشریف لائے۔ اس غار میں قرآن مجید کی پہلی وحی نازل ہوئی۔ اسی واقعہ کی طرف شعر میں اشارہ کیا جارہا ہے۔ "چراغ" اور "ستارہ" کے الفاظ حضور اکرمؐ اور حضرت جبرائیلؑ کے لیے مستعار لیے گئے ہیں۔ صفتِ مشترک روشنی ہے، جیسے چراغ اور ستارہ روشن ہو کر اندھیرے کا خاتمہ کرتے ہیں اسی طرح حضرت جبرائیلؑ اللہ کا پیغام حضور ﷺ تک لاتے رہے اور آپؐ نے اس پیغام کے ذریعے دنیا کو ظلماتِ جہالت سے نکالا۔

"ایسی منزل جہاں آہٹ نہیں منظور آزر
دل وہ ناداں کہ بجاتے ہوئے دف جاتا ہے"

(دلاور علی آزر، نقش ص، ۸۱)

یہاں دل کا دف بجانا استعارہ ہے دل کے دھڑکنے کے لیے، جیسے دف کی تھاپ ہے ایسے ہی دل کی دھڑکن سے آواز پیدا ہو رہی ہے۔ جیسے دف کے سبب آواز پیدا ہوتی ہے، ایسے ہی دل کے دھڑکنے سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ چوں کہ دل درِ رسالت مآبؐ پر حاضری کے لیے جارہا ہے تو اس کی دھڑکن تیز ہو گئی ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی دف بجاتا جارہا ہے۔

حضور ﷺ اکرم کے لیے "چراغ" کا استعارہ اکثر و بیشتر برتا جاتا ہے، لیکن حضرت جبرائیلؑ کے لیے "ستارہ" کا استعارہ دلاور علی آزر کی ہنر کاری کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ چراغ اور ستارہ دونوں روشن ہوتے ہیں

لیکن چراغ کی روشنی اپنی اور ستارہ روشنی مستعار لیتا ہے۔ اس لیے شاعر نے حضور اکرم ﷺ کے لیے چراغ اور حضرت جبرائیلؑ کے لیے ستارہ کا لفظ مستعار لیا ہے۔ دل کی دھڑکن کے لیے دف بجنے کا استعارہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ شاعر نے ان تلمیحات کے ذریعے کلام میں حسن و بلاغت کے عناصر پیدا کیے ہیں۔

ج۔ تلمیح کنایہ:

کنایہ کا مطلب مبہم یا پوشیدہ بات کرنا ہے۔" اردو لغت" میں اس کے معنی کچھ یوں ہیں:

" ا۔ اشارہ، جو بات کھل کر اور براہِ راست نہ کہی جائے۔

۲۔(بیان) استعارے کی ایک قسم جس میں حقیقی معنی دلالت کریں غیر حقیقی معنی کی طرف اور کلام میں یہی حقیقی معنی مراد لیے جائیں۔" (۱۱)

" کشافِ تنقیدی اصطلاحات" میں ہے:

" علمِ بیان کی اصطلاح میں کنایہ سے مراد وہ لفظ جس کے حقیقی معنی مراد نہ ہوں۔" (۱۲)

علمِ بیان کی اصطلاح میں کنایہ وہ لفظ ہے جس کے معنی پوشیدہ ہوں اور ان کا سمجھنا کسی علامت کا محتاج ہو۔ کنایہ میں لفظ کا استعمال حقیقی معنی کی بجائے مجازی معنی میں کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے حقیقی معنی بھی مراد لیے جاسکتے ہیں، یعنی کہنے والا ایک لفظ کے مجازی معنوں کی طرف اشارہ کرے گا لیکن مجازی کے ساتھ حقیقی معنی مراد لینا بھی غلط نہ ہو گا۔ مثال کے طور پر یہ کہا جائے " بال سفید ہو گئے ہیں لیکن عادتیں نہ بدلیں"۔ یہاں اگر مجازی معنی لیے جائیں تو بالوں کی سفیدی سے مراد بڑھاپا ہے لیکن حقیقی معنی میں بالوں کی سفیدی مراد لینا بھی غلط نہ ہو گا۔ سجاد مرزا بیگ لکھتے ہیں:

" کنایہ لغت میں پوشیدہ بات کرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاحِ علمِ بیان میں ایسے کلمے کو کہتے ہیں جس کے مجازی معنی مراد ہوں اور حقیقی معنی مراد لیے جائیں تو بھی جائز ہو۔" (۱۳)

متذکرہ بالا تمام تعریفات سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کنایہ علمِ بیان کی وہ قسم ہے جس میں کوئی لفظ اپنے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال کیا جائے کہ اس کے حقیقی معنی بھی مراد لیے جاسکتے ہوں۔ یعنی کنایہ

میں بات ڈھکے چھپے الفاظ میں کی جاتی ہے۔ بات تعریفاً بھی ہو سکتی ہے اور طنزاً بھی۔ جیسے سورۃ" العمران" کی ایک آیت کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

"جو لوگ اللہ کے احکام و ہدایات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اور اس کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کی جان کے درپے ہو جاتے ہیں جو خلقِ خدا میں عدل و راستی کا حکم دینے کے لیے اٹھیں، ان کو دردناک سزا کی خوش خبری سنا دو۔"(۱۴)

متذکرہ بالا آیت میں " خوش خبری " سنانے کا کہا گیا ہے، جب کہ عذابِ جہنم خوش خبری نہیں بری خبر ہے مگر اسے طنزاً خوش خبری کہا گیا ہے۔ یہ بھی کنایہ ہے۔

"سیاہی مُو کی گئی، دل کی آرزو نہ گئی
ہمارے جامۂ کہنہ سے مئے کی بو نہ گئی"

(مرزا غالب، ریختہ ڈاٹ کام)

متذکرہ بالا شعر میں جامۂ کہنہ سے مئے کی بو کا نہ جانا کنایہ ہے شراب نوشی سے دراصل شاعر کہہ رہا ہے کہ بڑھاپے میں بھی شراب نوشی کی عادت نہ چھوٹی۔

تشبیہات و استعارات کی طرح کنایہ کو بھی جب تلمیح کے ساتھ جمع کیا جاتا ہے تو کلام کے حسن و زیبائش کے ساتھ بلاغت کا عنصر بھی اجاگر ہوتا ہے۔ شعرا کئی مقامات پر تلمیح کو کنایہ کی صورت میں برتتے ہیں یا پھر کلام میں تلمیح کے ساتھ ساتھ کنایہ کو بھی لے آتے ہیں جس سے کلام میں تاثر پیدا ہوتا ہے۔ انیس کا ایک شعر دیکھیے:

"ہے دوشِ محمدؐ کا مکیں خانۂ زیں پر
اس ناز سے رکھتا ہی نہیں پاؤں زمیں پر"

(میر انیس، ریختہ ڈاٹ کام)

متذکرہ بالا شعر میں دوشِ محمدؐ کے مکیں سے مراد حضرتِ حسین ہیں جو حضور اکرم ﷺ کے کاندھوں پر سوار ہو کر مدینہ کی گلیوں میں سیر کیا کرتے تھے۔ رثائی ادب میں ایسی بے شمار مثالیں مل جاتی ہیں جن میں تلمیح کے ساتھ کنایہ کو جمع کیا گیا ہو۔ زیرِ تحقیق مقالہ میں ہم منتخب شعرا کے نعتیہ کلام میں تلمیحِ کنایہ کی

مثالیں تلاش کرتے ہیں تاکہ ہم معلوم کر سکیں کہ عہدِ رواں میں کنایہ اور تلمیح کو کس انداز سے کلام میں لایا جاتا ہے اور اس سے کلام کی خوب صورتی اور بلاغت پر کیا اثر پڑتا ہے۔

ریاض مجید:

" انتہائے جذب میں اے طبع! مشتاقانہ تر
لب کشا ہو نعت کے سدرہ پہ آزادانہ تر"

(ریاض مجید، سیدنا کریم، ص ۳۳)

مندرجہ بالا شعر میں لفظ " سدرہ" قرطاسِ نعت سے کنایہ ہے۔ شاعر انتہائے شوق میں اپنی ذات کو جذب کر کے نعتِ رسول کہنا چاہتا ہے۔

"ہے نعت گوئی اس اُمی لقب کا صدقۂ خاص
کہ یہ عطا درِ شاہِ امم سے ہوتی ہے"

(ریاض مجید، سیدنا رحیم، ص ۴۹)

اس شعر میں " اُمی لقب" اور "شاہِ اُمم" کنایہ ہیں حضور اکرمؐ کے لیے، حضور اکرمؐ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے اس لیے آپؐ کو اُمی بھی کہا جاتا ہے اور چوں کہ آپؐ اُمت کے سردار و سربراہ ہیں اس لیے آپؐ کے لیے شاہِ اُمم کا کنایہ استعمال کیا گیا ہے۔

" شیخین قرب یاب ہیں بعدِ وصال بھی
اللہ رے دل نوازئ پہلوئے مصطفیٰ"

(ریاض مجید، سیدنا رحیم، ص ۸۹)

اس شعر میں شیخین حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر بن خطاب سے کنایہ ہے۔ شیخین عربی زبان میں بزرگ و معتبر شخصیات کے لیے مستعل ہے۔ کتبِ احادیث میں یہ لفظ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

ریاض مجید نے تلمیح کنایہ کا استعمال اپنے کلام میں بڑی مہارت اور خوب صورتی سے کیا۔ صفحۂ قرطاس کے لیے "سدرہ" کا کنایہ بہت خوب صورت ہے، ایسے نادر کنایے عموماً کم ہی برتے جاتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے لیے "امی" اور "شاہِ امم" اور حضرتِ ابو بکر اور حضرت عمر کے لیے " شیخین" کا کنایہ اکثر برتا جاتا ہے۔ایسی تلمیحات سے نئے مضامین کشید کرنا خاصا دشوار ہے۔

عزیز احسن:

"قائم ہو جب بھی بزم حساب و کتاب کی
میں شان دیکھ پاؤں رسالت مآبؐ کی"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص ۳۵۲)

" حساب و کتاب کی بزم" روزِ حشر سے کنایہ ہے۔ یہ وہ دن ہے جب تمام انسانوں کو ایک میدان میں جمع کیا جائے گا۔ ان کے ہاتھ میں ان کا نامۂ اعمال دیا جائے گا اور ان کے اعمال کا حساب کیا جائے گا۔

"حضور خاص عنایات کی ضرورت ہے
رواج پاتا ہے کردارِ بولہب شب و روز"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز، ص ۵۳۲)

اس شعر میں " بولہب" کی تلمیح کنایہ کے طور پر لائی گئی ہے۔ ابولہب حضور ﷺ کا چچا تھا وہ اپنے اعمالِ بد اور اسلام دشمنی کے سبب مشہور ہوا۔ یہاں " کردارِ بولہب" کے رواج پانے کا تذکرہ کرتے ہوئے شاعر اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ آج کے عہد میں اسلام دشمنی اپنے عروج پر ہے۔ ایک اور جگہ اس تلمیح کو بطور کنایہ یوں باندھا ہے:

"وہ راہِ بولہبی پر ہی گامزن ہو گا
نبیؐ سے بڑھ کے کسی کو جو راز داں سمجھے

چھا جائے فضاؤں پر پھر رنگِ حجاز ایسے
مٹ جائیں سبھی رسمیں ہر طرزِ عجم اٹھے"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص ۵۵۳)

"رنگِ حجاز" کنایہ ہے اسلام اور شریعتِ محمدیؐ سے اور " طرزِ عجم" بدعات وغیرہ سے کنایہ ہے۔ اسلام چوں کہ حجازِ مقدس کی سرزمین پر سب سے پہلے رائج ہوا لہٰذا جو طرزِ زندگی اس عہد کے لوگوں کا تھا وہ شریعتِ محمدیؐ کے مطابق تھا۔

" آپؐ ہی تخلیقِ اول، آپؐ ہی نورِ مبین
آپؐ ہی مابین خالق اور آدم رابطہ"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص۵۵۹)

" تخلیقِ اول" اور "نورِ مبیں" کی تلمیحات بہ طور کنایہ حضور اکرمؐ کے لیے لائی گئی ہیں:

"جمال و حسنِ رسالت مآب دیکھتے ہیں
جو دل کی آنکھوں سے اُم الکتاب دیکھتے ہیں"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص۵۷۶)

" اُم الکتاب" کی تلمیح قرآن مجید کی ابتدائی سورت الفاتحہ سے کنایہ ہے۔ اس سورت کو اُم الکتاب کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

"سادگی آقاؐ نے سکھلائی تھی اُمت کو مگر
ریس میں فرعون کی اب ہے یہ شوکت آشنا"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص ۶۵۶)

یہاں " فرعون" عیش و عشرت اور نمود و نمائش سے کنایہ ہے ۔ جس قوم کو آقاؐ سادگی کا درس دیتے رہے وہ قوم اب عیش و عشرت اور نمود و نمائش میں پڑی ہوئی ہے۔

"عشق تو سبطِ پیمبر سے سبھی کرتے ہیں
کون ہے جو سرِ میدان بہتر لائے"

(عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، ص ۷۰۷)

" سبطِ پیمبر" حضرت حسین سے کنایہ ہے اور اشارہ کیا جا رہا ہے واقعۂ کربلا کی طرف جس میں حضرت حسین کے لشکر میں بہتر (۷۲) سپاہی تھے اور مقابل ہزاروں کا لشکر تھا۔

عزیز احسن نے "ابولہب" کا کنایہ دو بار استعمال کیا۔ "ابولہب" کا ذکر ہماری نعتیہ روایت میں اکثر دیکھنے کو ملے گا۔ لیکن اسے بطور کنایہ کلام میں لانا منفرد ہے۔ عزیز احسن نے اس تلمیح کے ذریعے اپنے کلام کی لفظی و معنوی وسعت میں خوب صورت اضافہ کیا۔ "رنگِ حجاز" اور "طرزِ عجم" کے کنایے بھی شاعر کی فن کاری کا مظہر ہیں۔ "فرعون" کی تلمیح کو کنایہ کے طور پر لانا نیا بھی ہے اور انوکھا بھی۔ اردو کی غزلیہ اور نعتیہ شاعری میں یہ تلمیح اکثر برتی جاتی ہے۔ لیکن اسے کنایہ کے پیرائے میں استعمال کرنا شاعر کی فنی مہارت کا ثبوت ہے۔ عزیز احسن نے تلمیحِ کنایہ کے

استعمال سے اپنے نعتیہ لغت میں لفظیات کے اضافے کے ساتھ ساتھ اپنے کلام کی معنوی وسعتوں میں بھی خوب صورت اضافے کیے ہیں۔

صبیح الدین رحمانی:

"نظر سے چوم لوں اک بار سبز گنبد کو
بلا سے پھر میری دنیا میں شام ہو جائے"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص ۸۱)

" شام ہونا" زندگی کے اختتام سے کنایہ ہے۔ یہ آنکھیں ایک بار سبز گنبد کا نظارہ کر لیں پھر چاہے ہمیشہ کے لیے تاریکی میں چلی جائیں۔

"مزا تو جب ہے فرشتے یہ قبر میں کہہ دیں
صبیح ! مدحتِ خیر الانام ہو جائے"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص ۸۱)

" خیر الانام " حضور اکرمؐ سے کنایہ ہے۔ خیر الانام کے معنی نیک نام کے ہیں۔ اسے حقیقی معنوں میں لیں تو بھی حضور اکرمؐ سے نیک نام کوئی نہیں اور اسے صرف حضور اکرمؐ سے منسوب کر دیں تو بھی کوئی آپؐ سے بڑھ کر خیر الانام نہیں ہو سکتا۔

"خدا گواہ ! مسلسل ہے بولتا قرآں
حضور سیدِ عالم کی زندگی کیا ہے"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص ۸۳)

" بولتا قرآن " اور " سیدِ عالم " حضور اکرمؐ سے کنایہ ہے۔ حضورؐ کی حیاتِ اطہر قرآن کی عملی تصویر ہے اور آپؐ تمام جہانوں کے سردار ہیں اس لیے " سیدِ عالم " آپؐ کو ہی کہا جا سکتا ہے۔

"قدم صاحبِ معراج نے بخشا ہے عروج
ورنہ سچ پوچھو تو کونین میں کیا رکھا ہے"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص ۱۰۶)

" صاحبِ معراج" کی تلمیح حضور اکرمؐ کے لیے بطور کنایہ لائی گئی ہے۔ اس مضمون کو سادہ الفاظ میں بیان کیا جا سکتا تھا لیکن صاحبِ معراج نے اس شعر کے حسن میں اضافہ کیا ہے۔

"ذکر اس نورِ مجسم کا ہے کرنا مقصود
مالکِ لوح و قلم تو مرے لفظوں کو اجال"

(صبیح الدین رحمانی، کلیاتِ صبیح الدین رحمانی، ص۲۱۹)

" نورِ مجسم " حضور اکرمؐ سے اور " مالکِ لوح و قلم " اللہ تعالیٰ سے کنایہ ہے۔ حدیثِ تخلیقِ نورِ محمدؐ کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور تخلیق کیا گیا پھر اس نور کو جسم کے پیکر میں ڈھالا گیا، اس لیے نورِ مجسم کی تلمیح استعمال کی گئی ہے۔

صبیح الدین رحمانی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے "خیر الانام"، "بولتا قرآن"، "سیدِ عالم"، "صاحبِ معراج" اور "نورِ مجسم" ایسی تلمیحات کو بطور کنایہ برتا ہے۔ ان تلمیحات کے ذریعے شاعر نے اپنے کلام کو حسنِ بلاغت سے مزین کیا ہے۔ لیکن چوں کہ یہ تلمیحات نعتیہ شاعری میں اکثر و بیشتر برتی جاتی ہیں، لہٰذا ان تلمیحات کے ذریعے نئے مضامین کشید کرنا خاصا دشوار گزار عمل ہے۔

مقصود علی شاہ:

" کھلنا تھا سرِ حشر مرا دفترِ عصیاں
رکھا ہے مگر تو نے بھرم، سیدِ عالم"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص ۶۰)

" دفترِ عصیاں " کنایہ ہے نامۂ اعمال کے لیے، جس میں انسان کے تمام اعمال نیک و بد درج کیے جاتے ہیں اور بروزِ حشر اسے انسان کے ہاتھ میں دیا جائے گا اور " سیدِ عالم " حضور اکرمؐ کے لیے بہ طور کنایہ لایا گیا ہے۔

" کشاں کشاں اسی جانب رواں ہیں نعت بہ لب
طیورِ شوق کی جائے اماں ہے نخلِ درود"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقالِ ص ۵۵)

" طیورِ شوق " عاشقانِ رسول کے لیے کنایہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

"آخری نعت کی مہلت کی سفارش کر دیں
فردِ عصیاں مری اے شاہِ زماں کھلتی ہے"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص۷۸)

" شاہِ زماں" کے معنی زمانے کے بادشاہ کے ہیں، یہ ترکیب حضور اکرمؐ کے لیے بہ طور کنایہ لائی گئی ہے۔

"مدحت نے سنوارے مرے احسان کے منظر
ہے نعت تری حاصلِ پندار، کریما!"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص۷۹)

" کریما" کے معنی کرم کرنے والے کے ہیں۔ چوں کہ حضور اکرمؐ نے انسان کو اللہ کے پیغام کے ذریعے آلامِ دنیوی سے نجات دلائی اور بہ روزِ حشر اپنی امت کی بخشش کے لیے شفاعت بھی طلب فرمائیں گے، اس لیے یہاں لفظ "کریما" حضور اکرمؐ کے لیے کنایہ کے طور پر لایا گیا ہے۔

"ویسے تو حُسن زار ہیں حیرت گہِ طلب
لیکن ہمیں محلۂ قدسی نشاں میں رکھ"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص۸۳)

قدسی، ملائکہ کو کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ پاکیزگی کے سبب اس مخلوق سے منسوب کیا گیا ہے۔ " محلہ ءقدسی نشاں" سے مراد ایک ایسا محلہ یا علاقہ کہ جو پاک و اطہر ہو اور اس روئے زمین پر حجازِ مقدس کے علاوہ کوئی سرزمین ایسی پاک و اطہر نہیں ہے، لہٰذا یہ تلمیح سرزمینِ حجاز کے لیے کنایتاً لائی گئی ہے۔

"حضورؐ پھر سے کریں صاحب مراد مجھے
دیارِ رشکِ ارم آ رہا ہے یاد مجھے"

(مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، ص ۹۵)

اس شعر میں " دیارِ رشکِ ارم" سرزمینِ مدینہ منورہ کے لیے بطور کنایہ استعمال ہوا ہے۔ ارم شداد کی جنتِ ارضی تھی جس کا بیان تاریخی تلمیحات کے باب میں کیا گیا ہے۔

مقصود علی شاہ کے کلام میں "طیورِ شوق" اور "محلہء قدسی نشاں" جیسی نادر اور اچھوتی تلمیحات کنایتاً برتی گئی ہیں۔ یہ تلمیحات جہاں کلام میں حسن و زیبائش کا سبب ہیں، وہیں شاعر کے

کمالِ مہارت کا ثبوت بھی۔ یہ تلمیحات نعتیہ لغت میں لفظیات و تراکیب کا خوب صورت اضافہ ہیں۔

شاکر القادری:

"سکندری و جمی، قیصری و دارائی
عرب کے جلوؤں میں گم ہو گئے عجم کے چراغ"

(شاکر القادری، چراغ، ص ۴۹)

اس شعر کے پہلے مصرع میں چار تلمیحات کا ذکر کیا گیا ہے اور دوسرے مصرع میں " عرب کے جلوے" اور " عجم کے چراغ" کنایتاً لائے گئے ہیں۔ عرب کے جلوؤں " سے مراد یہاں سردارِ مدینہ کی سطوت و قوت ہے اور عجم کے چراغ پہلے مصرع میں استعمال ہونے والی تمام تلمیحات کو کہا گیا ہے۔ یعنی سکندری، جمی، قیصری اور دارائی کے لیے " عجم کے چراغ" کو کنایہ کے طور پر لایا گیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ تمام چراغ عرب کے جلوؤں میں ماند پڑ گئے۔

"ابوذری مرا شیوہ قرار پایا ہے
مری نظر میں ہیں بے نور سیم و زر کے چراغ"

(شاکر القادری، چراغ، ص۵۸)

" ابوذری" کی تلمیح بہ طور کنایہ لائی گئی ہے۔ حضرت ابوذر غفاری سے متعلق احادیثی تلمیحات میں بیان ہو چکا ہے۔ یہاں یہ تلمیح درویشی اور فقر و غنا کے لیے بہ طور کنایہ لائی گئی ہے۔

" پہنچا کہاں کہاں ترے جلوؤں کا رنگ و نور
مہمانِ عرش تو ہے، نشینِ حرا بھی تُو"

(شاکر القادری، چراغ، ص۶۰)

اس شعر میں " مہمانِ عرش" اور " نشینِ حرا" کی تلمیحات حضور اکرمؐ کے لیے کنایتاً لائی گئی ہیں۔ حضور اکرمؐ معراج کی شب عرش پر گئے اور اعلانِ نبوت سے قبل آپؐ غارِ حرا کے گوشۂ تنہائی میں مقیم رہتے تھے۔

"کی کلیاتِ دہر کی تفسیرِ نو رقم
خاصہ یہی ہے صاحبِ اُم الکتاب کا"

(شاکر القادری، چراغ، ص ۷۰)

" صاحبِ اُم الکتاب" کی تلمیح حضور اکرمؐ کے لیے کنایتاً لائی گئی ہے۔"اُم الکتاب" قرآن مجید کی ابتدائی سورت" الفاتحہ" کو کہا جاتا ہے۔" صاحبِ اُم الکتاب" سے مراد ایسی شخصیت ہیں جن پر اُم الکتاب یعنی سورۂ الفاتحہ نازل ہوئی اور یہ شخصیت حضور اکرمؐ ہی ہیں۔

"سر تاجِ فصیحانِ عرب، گنجِ بلاغت
اُمی ہے مگر صاحبِ قرآنِ مبیں ہے"

(شاکر القادری، چراغ، ص ۶۲)

" سر تاجِ فصیحانِ عرب" ، "گنجِ بلاغت" ، "اُمی" اور" صاحبِ قرآنِ مبیں" کی تلمیحات حضور اکرمؐ کے لیے کنایہ کے طور پر لائی گئی ہیں۔

شاکر القادری نے اپنے کلام میں "عرب کے جلوے"، "عجم کے چراغ"، "سیم و زر کے چراغ"، "مہمانِ عرش"، "نشینِ حرا"، "صاحبِ ام الکتاب"، "سر تاجِ فصیحانِ عرب"، "گنجِ بلاغت" اور "صاحبِ قرآنِ مبیں" ایسی تلمیحات کو کنایتاً استعمال کر کے اپنے نعتیہ لغت میں خوب صورت تراکیب کا اضافہ کیا ہے۔"سر تاجِ فصیحانِ عرب" اور "عجم کے چراغ" ایسی تلمیحات نعتیہ شاعری میں شاذ ہی ملتی ہیں۔ان تلمیحات سے شاعر نے کلام میں نہ صرف موسیقیت کا عنصر پیدا کیا، بلکہ کلام کی معنوی وسعتوں میں خوب صورت اضافے کیے۔"سر تاجِ فصیحانِ عرب" اپنے اندر معانی کا ایک جہان لیے ہے۔

دلاور علی آزر:

"زماں کو یاد جو آیا عدد تریسٹھ کا
گزرتے وقت کا دھارا درود پڑھنے لگا"

(دلاور علی آزر، نقش، ص ۵۸)

اس شعر میں" تریسٹھ کا عدد" حضور اکرمؐ کے عرصۂ حیات کے لیے کنایتاً لایا گیا ہے۔زمانے کو جب بھی حضور ﷺ کا عرصۂ حیات یاد آتا ہے وہ آپؐ کی ذاتِ اقدس پر درود بھیجتا ہے۔

"بنتا ہی نہیں تھا کوئی معیارِ دو عالم
اس واسطے بھیجے گئے سرکارِ دو عالم"

(دلاور علی آزر، نقش، ص ۴۴)

" سرکارِ دوعالم" حضور اکرمؐ کی ذاتِ مقدس سے کنایہ ہے۔ اس شعر میں وجۂ تخلیقِ کائنات اور وجۂ تخلیقِ محمد ﷺ کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔

"میں اکیلا تھا زمیں پر کہکشاں تک لے گیا
آسمانی شخص آیا آسماں تک لے گیا"

(دلاور علی آزر، نقش، ص ۵۸)

اس شعر میں آسمانی شخص، حضور اکرمؐ کے لیے کنایتاً استعمال ہوا ہے۔ آسمانی شخص اس لیے کہ حضور اکرمؐ صاحبِ معراج ہیں۔

"آپؐ کی آل سے نسبت کا شرف حاصل ہے
دل مرا پنج تنی ہے مرے مکی مدنی"

(دلاور علی آزر، نقش، ص ٦٦)

" پنج تنی" کنایہ ہے حضور اکرمؐ کی آلِ اطہر سے اور یہ اشارہ" حدیثِ کساء" کی طرف کیا گیا ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ حضور اکرمؐ نے ایک دفعہ اپنے ساتھ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین کو چادر میں لے کر آیۂ تطہیر تلاوت فرمائی اور کہا کہ یہ میرے اہلِ بیت ہیں۔ پنج تن سے مراد یہی پانچ شخصیات ہیں جو اس روز چادر تلے ایک ساتھ جمع تھیں۔

" آپؐ آئے تو بہار آگئی ویرانے میں بھر
گیا بھر گیا سبز کھجوروں سے بیابانِ عرب"

(دلاور علی آزر، نقش، ص۷٦)

اس شعر میں" سبز کھجوریں" شریعتِ محمدیؐ سے کنایہ ہے۔ مقصود یہ ہے کہ آپؐ کی آمد سے عرب کا علاقہ جو کہ جہالت میں ڈوبا ہوا تھا، اسے روشنی عطا ہوئی۔

"سلطنت جس کو میسر ہو فراوانی کی
اسے حاجت ہی کہاں تختِ سلیمانی کی"

(دلاور علی آزر، نقش، ص۱۰۴)

اس شعر میں " تختِ سلیمانی " کی تلمیح حکومت وسطوت کے لیے کنایتاً استعمال ہوئی ہے۔

"آپؐ آئے بن کے سب میں رحمۃ العالمیں
اس لیے مشہور ہے خیر الانامی آپؐ کی"

(دلاور علی آزر، نقش، ص۱۱۸)

" رحمۃ العالمیں" کی تلمیح حضور اکرمؐ کے لیے کنایتاً لائی گئی ہے۔ آپؐ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

دلاور علی آزر نے اپنی نعوت میں انوکھی اور نادر تلمیحات کو کنایتاً برت کر کلام کی خوب صورتی میں اضافہ کیا۔"عدد تریسٹھ کا"، "آسمانی شخص" اور "سبز کجھوریں" ایسی تلمیحات ہیں جن کا استعمال اردو نعتیہ روایت میں تلمیحِ کنایہ کے طور پر کم ہی نظر آتا ہے۔لہٰذا ایسی تلمیحات نعتیہ لغت میں لفظیات کا دل کش اضافہ شمار کی جا سکتی ہیں۔

حوالہ جات

۱. http://udb.gov.pk/result.php?search=%D8%AA%D8%B4%D8%A8%DB%8C%DB%81، ۲۶۔نومبر ۲۰۲۲ء، دن ۳ بجے
۲. عابد علی عابد، البیان، مجلس ترقی ادب، کراچی، فروری ۱۹۸۹ء، ص ۱۳۰
۳. مصاحب علی صدیقی، اردو ادب میں تلمیحات، ص ۱۵۴
۴. https://www.rekhta.org/marsiya/namak-e-khvaan-e-takallum-hai-fasaahat-merii-meer-anees-marsiya?sort=popularity-desc&lang=ur، ۲۶۔نومبر ۲۰۲۲ء، شام ۵ بجے
۵. https://www.rekhta.org/marsiya/namak-e-khvaan-e-takallum-hai-fasaahat-merii-meer-anees-marsiya?lang=ur، ۲۶۔نومبر ۲۰۲۲ء، شام ۵:۳۰ بجے
۶. https://urdunotes.com/lesson/istara-in-urdu-%d8%a7%d8%b3%d8%aa%d8%b9%d8%a7%d8%b1%db%81-%da%a9%db%8c-%d8%aa%d8%b9%d8%b1%db%8c%d9%81-%d8%a7%d9%88%d8%b1-%d8%a7%d9%82%d8%b3%d8%a7%d9%85/، ۲۶۔نومبر ۲۰۲۲ء، شام ۶ بجے
۷. https://silsla.com/%d8%a7%d8%b3%d8%aa%d8%b9%d8%a7%d8%b1%db%81، ۲۶۔نومبر ۲۰۲۲ء، شام ۷ بجے
۸. مصاحب علی صدیقی، اردو ادب میں تلمیحات، ص ۱۶۴
۹. ایضاً، ص ۱۶۵
۱۰. Android App, Islam360، ۲۶۔نومبر ۲۰۲۲ء، شام ۷ بجے
۱۱. http://udb.gov.pk/result.php?search=%DA%A9%D9%86%D8%A7%DB%8C%DB%81، ۲۶۔نومبر ۲۰۲۲ء، شام ۷ بجے
۱۲. http://udb.gov.pk/result_details.php?word=168062، ۲۶۔نومبر ۲۰۲۲ء، رات ۹ بجے
۱۳. سجاد مرزا بیگ، مشمولہ البیان، عابد علی عابد، ص ۳۵۷
۱۴. Android App, Islam360، ۲۶۔نومبر ۲۰۲۲ء، رات ۱۰ بجے

باب چہارم:

مجموعی جائزہ، تحقیقی نتائج و سفارشات

ا۔ مجموعی جائزہ:

نعت عربی زبان میں تعریف و توصیف کو کہتے ہیں۔ اصطلاحاً حضور اکرمؐ کی شانِ اقدس کے بیان کرنے کا نام نعت ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر حضور اکرمؐ کی شانِ اقدس کا بیان کیا۔ کہیں ایمان والوں کو حضور ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم دیا جارہا ہے، تو کہیں حضور ﷺ کی صداقت و طہارت کی گواہی دی جارہی ہوتی ہے، کہیں مبشر و مزمل پکارا جاتا ہے تو کہیں یٰسین وطٰہ کے القابات سے حضور ﷺ کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ شاعری میں حضور ﷺ کی تعریف و توصیف کا بیان آپؐ کے عہدِ پُر نور میں ہُوا۔ عربی زبان میں حضرت ابو طالب اور خلفائے راشدین کے قصائد نعتیہ شاعری کے اولین نقوش ہیں۔ دربارِ رسالتؐ کے شعرا میں حضرت حسان بن ثابت اور حضرت کعب بن زبیر کے نام نعتیہ ادب کے حوالے سے بہت اہم ہیں۔ اس کے علاوہ وہ گیت بھی نعتیہ شاعری کے اولین نقوش میں شمار ہوتا ہے جو ہجرت کے بعد حضور اکرمؐ کی مدینہ آمد پر گایا گیا تھا۔ اردو میں نعتیہ شاعری کا آغاز مثنویوں سے ہوا۔ متقدمین کی مثنویوں میں حمد و نعت کا خاص التزام کیا جاتا رہا ہے۔ عہدِ جدید کے شعرا میں الطاف حسین حالی کی مسدس نعتیہ شاعری کے حوالے سے بہت اہم ہے۔ اس کے علاوہ امیر مینائی، محسن کاکوروی، علامہ اقبال، اصغر گونڈوی، احمد رضا خاں بریلی، حسن رضا خاں بریلی، ظفر علی خاں اور ایسے سینکڑوں شاعر ہیں جنھوں نے اپنے کلام میں نعت کو باضابطہ ایک صنف کے طور پر برتا ہے۔

بدیع وہ علم ہے جس میں کلام کے محاسن اور شعر کی خوبیوں پر سیر حاصل گفتگو کی جاتی ہے۔ اردو زبان میں " بحر الفصاحت " ، " آئینۂ بلاغت اور " البدیع " علمِ بدیع کی مستند کتابیں ہیں۔ بدیع کی دو اقسام ہیں، لفظی اور معنوی۔ ان میں صنائع معنوی کی صنعتِ تلمیح ہمارا موضوع ہے۔ تلمیح عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی اشارہ کرنے کے ہیں۔ ابتدائے آفرینش سے جب انسان بولنا نہیں جانتا تھا تو وہ اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے لیے اشاروں کا سہارا لیتا تھا۔ بعد میں جب اس نے اظہارِ خیال و احساس کے لیے الفاظ کا سہارا لینا شروع کیا تو ان اشاروں کو اس نے تلمیح کا نام دیا۔ اصطلاحاً تلمیح کسی واقعۂ مشہورہ، آیتِ قرآن، حدیث یا تاریخ

کے کسی اہم واقعہ یا علم کی اصلاحات کی طرف اشارہ کرنے کو کہتے ہیں۔ یہ اشارے کلام میں بلاغت کے لیے بہت اہم ہیں۔ بلاغت یہ ہے کہ مختصر الفاظ میں ایک وسیع مضمون کو سمو دینا۔ یہ کام تلمیح کے بغیر بہت مشکل ہے۔ بلاغت ادب کی جان ہے اور بلاغت کی جان تلمیح ہے۔

تلمیح کی تقسیم دو درجوں میں کی جاتی ہے، موضوعاتی اور فنی۔ تلمیح کی موضوعاتی اقسام در حقیقت تلمیح کے مآخذ سے متعلقہ ہیں، تلمیح کا سب سے بڑا مآخذ مذہب اور تاریخ ہیں پھر علم و اصطلاح کا درجہ آتا ہے۔ اس لیے تلمیح کی گروہ بندی یوں کی جاسکتی ہے، مذہبی تلمیحات، تاریخی تلمیحات اور علمی و اصطلاحی تلمیحات۔ ان میں سے مذہبی تلمیحات کو مزید دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) قرآنی تلمیحات (۲) احادیثی تلمیحات۔ مآخذ کے حوالے سے تلمیح کی مزید اقسام بھی بنتی ہیں لیکن موضوع کی ضرورت کے تحت یہاں انھی اقسام کا ذکر کیا گیا ہے جو نعتیہ شاعری میں عام طور پر برتی جاتی ہیں۔ ان اقسام کے اعتبار سے تلمیح کو پابند نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ ایک ہی تلمیح بعض اوقات ایک سے زائد اقسام کے ساتھ منسلک ہوتی ہے۔ جیسے حضرت خضرؑ کی تلمیح قرآنی تلمیحات میں بھی شمار کی جاسکتی ہے اور تاریخی میں بھی۔ فنی اعتبار سے تلمیحات کی گروہ بندی بدیع و بیان کی دیگر اصناف کے ساتھ تلمیح کی جمع آوری سے کی جاسکتی ہے جیسے تلمیح اور تشبیہ کے کلام میں ایک ساتھ جمع ہونے یا تلمیح کے بصورت تشبیہ استعمال ہونے پر اس تلمیح کو تشبیہاتی تلمیح کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح استعاراتی تلمیح اور تلمیح کنایہ ہیں۔ موضوعاتی اقسام کی طرح ان اقسام کے باب میں بھی ہم نعتیہ ادب میں ان کے استعمال کے محتاج ہیں۔

اردو میں نعتیہ ادب کے حوالے سے پاکستان کا سب سے اہم مجلہ " نعت رنگ " ہے، نعت رنگ میں عہدِ موجود کے بہت سے نعت نگاروں کا کلام شائع ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید، ڈاکٹر عزیز احسن، صبیح الدین رحمانی، مقصود علی شاہ، شاکر القادری اور دلاور علی آزر ایسے شاعر ہیں جن کا کلام تسلسل سے " نعت رنگ " میں شائع ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ پاکستان کے کئی ایسے نعت گو شاعر ہیں جن کا کلام نعت رنگ میں شائع ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض کے نعتیہ مجموعے زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہونے پائے اور بعض کے کلام میں ہمیں تلمیحات کا استعمال بہت کم نظر آیا۔ جیسے جلیل عالی عہدِ موجود کے بڑے نقاد اور معتبر شاعر ہیں۔ لیکن ان کا نعتیہ کلام جو " نور نہایا رستہ " میں شامل ہے اس میں چند اردو نعوت ہیں، ان میں بھی تلمیح کا استعمال نہ ہونے کے برابر ہے۔ دورِ حاضر کا شاعر یا تو جدت طرازی کی ڈگر پر چلتے ہوئے کلاسیکی روایات و مضامین سے دور بھاگتا

دکھائی دیتا ہے یا پھر اس کا کلام اظہارِ خیال سے کہیں زیادہ کیفیات کے اظہار کا منبہ ہے، اس لیے اکثر نعت گو شعرا کے کلام میں تلمیحات کا استعمال نہ ہونے کے برابر ہے۔

تلمیحات کی موضوعاتی اقسام کا جائزہ لیا جائے تو ان میں مذہبی تلمیحات، تاریخی تلمیحات اور علمی و اصطلاحی تلمیحات کا استعمال نعتیہ شاعری میں اکثر ملتا ہے۔ مذہبی تلمیحات کا مآخذ قرآن و احادیث ہیں لہٰذا اس کی درجہ بندی اسی مناسبت سے کی جاسکتی ہے۔ قرآنی تلمیحات وہ تلمیحات ہیں جن میں کسی قرآنی واقعہ، شخصیت یا قرآنی آیت کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ معاصرین کے کلام میں تقریباً ایک طرح کی ہی قرآنی تلمیحات کا بیان ملتا ہے۔" والفجر" ،" والشمس" ،"والیل" ،" احسنِ تقویم" ،" رحمتہ اللعالمین" اور اس طرح کی کئی قرآنی تلمیحات کو عہدِ حاضر کی نعتیہ شاعری میں برتا جاتا ہے۔ ان تلمیحات کے استعمال سے کلام میں بلاغت کا عنصر تو پیدا ہوتا ہے البتہ ان سے کسی طرح کے نئے مضمون کا سراغ نہیں ملتا۔

احادیثی تلمیحات میں حضور اکرمؐ کے کسی قول، فعل یا آپؐ کے صحابہ کرام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کلام میں بلاغت کا عنصر پیدا کیا جاتا ہے۔ ان تلمیحات کا درجہ بھی محض خبر کا ہے۔ گو ان کے استعمال سے کلام میں اختصار و بلاغت کی خوبی پیدا ہوتی ہے لیکن ان کے استعمال سے نعتیہ شاعری میں کچھ نئے پن کا احساس نہیں ہوتا۔ دراصل مذہبی تلمیحات اردو شاعری بالخصوص نعتیہ شاعری میں اس قدر برتی جاچکی ہیں کہ اب ان کے استعمال سے اول تو کچھ نیا مضمون پیدا کرنا ہی جوئے شیر لانے کے مترادف ہے، دوم ان کے بہت زیادہ استعمال سے شاعر کا انفراد برقرار نہیں رہتا۔ کسی تلمیح کا ایک ہی معنی میں بار بار استعمال کلام میں یکسانیت پیدا کر دیتا ہے۔

تاریخی تلمیحات وہ تلمیحات ہیں جن میں تاریخِ انسانی کے کسی اہم واقعہ، اہم شخصیت یا تحریک کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ اردو کی نعتیہ شاعری میں تاریخی تلمیحات کا استعمال خوش آئند ہے۔ یوں تو اردو شاعری میں تاریخی تلمیحات بہ کثرت استعمال ہوتی ہیں لیکن اردو کی نعتیہ شاعری میں تاریخی تلمیحات کا استعمال بہت کم ہے۔ نعتیہ شاعری میں ان کے استعمال سے نئے مفاہیم کشید کیے جاسکتے ہیں۔

علمی و اصطلاحی تلمیحات وہ تلمیحات ہیں جن میں علم کی کسی شاخ یا اصطلاح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کلام میں بلاغت کا عنصر پیدا کیا جاتا ہے۔ نعتیہ شاعری میں ان تلمیحات کا استعمال کلام کی معنوی وسعتوں میں گراں قدر اضافے کا سبب ہے۔ تاریخ انسانی میں کئی ایسی علمی شخصیات گزری ہیں جن کا تعلق کسی اہم تحریک سے رہا ہے۔ جیسے لینن، مارکس، فرائڈ، ہیگل وغیرہ۔ ان شخصیات نے انسانی فلاح و بہبود کے لیے

اپنے اپنے نظام ہائے زندگی متعارف کروائے۔ ان شخصیات اور اس طرح کی کئی اور شخصیات کا بہ طور تلمیح استعمال اس سے قبل اردو کی نعتیہ شاعری میں نہیں ملتا۔

تلمیحات کی فنی درجہ بندی کے لیے بیان وبدیع کی دیگر اصناف کا سہارا لیا جاتا ہے۔ ایسی تلمیحات جن کا استعمال کلام میں بطور تشبیہ کیا جاتا ہے یا کلام میں جن تلمیحات کے ساتھ تشبیہ کو جمع کیا جاتا ہے، انھیں تشبیہاتی تلمیحات کا نام دیا جاتا ہے۔ اردو کی نعتیہ شاعری میں تشبیہاتی تلمیحات کا استعمال بہت کم ہے لیکن ان کا جائزہ لینے سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ یہ تلمیحات شاعری بالخصوص نعتیہ شاعری کو حسن و زیبائش کے ساتھ بلاغت سے روشناس کراتی ہیں۔

استعاراتی تلمیح ایسی تلمیح کو کہا جائے گا جس کا استعمال کلام میں بطور استعارہ کیا جائے یا کلام میں جس کے ساتھ استعارہ کو شامل کیا جائے۔ اردو کی نعتیہ شاعری میں تشبیہاتی تلمیحات کی طرح استعاراتی تلمیحات کا استعمال بھی بہت کم ہے۔ تشبیہ و استعارہ جب تلمیح کے ساتھ ملتے ہیں تو کلام کو بلاغت کی معراج پر پہنچا دیتے ہیں۔ کثرت سے استعمال ہونے والی تلمیحات ادب میں کلیشے کا درجہ اختیار کر لیتی ہیں۔ ان تلمیحات سے نئے مفاہیم کا سراغ لگانا بہت کٹھن ہو جاتا ہے لیکن جب ان کلیشے کا درجہ اختیار کر لینے والی تلمیحات کو تشبیہاتی یا استعاراتی انداز میں استعمال کرتے ہیں تو نہ صرف کلام کے حسن و زیبائش کا سبب بنتی ہیں بلکہ ان سے کلام میں نئے اور انوکھے مضامین کشید کیے جاسکتے ہیں۔

تلمیح کنایہ میں تلمیح کے ساتھ بیان کی صنف کنایہ کو شامل کیا جاتا ہے۔ کنایہ کے معنی رمز یا چھپی ہوئی بات کے ہیں۔ تلمیح کو عموماً کنایہ کے معنوں میں ہی برتا جاتا ہے۔ معاصرین کے نعتیہ کلام میں تلمیح کنایہ کا استعمال بہت زیادہ ہے۔ تقریباً تمام شعرا کے کلام میں تلمیح کی یہ قسم پائی جاتی ہے۔ تلمیحِ کنایہ کے استعمال سے نعتیہ شاعری کی معنوی وسعتوں میں گراں قدر اضافہ ہوا۔

ب۔ تحقیقی نتائج:

I. معاصر اردو نعت میں استعمال ہونے والی تلمیحات کا تعلق زیادہ تر قرآن و احادیث سے ہے، جو نعت کا اصل مآخذ ہیں۔ معاصر اردو نعت میں تلمیحات کا بہ طور تشبیہ، استعارہ اور کنایہ استعمال بہ کثرت کیا گیا ہے۔ جو کلام کے جمالیاتی حسن میں اضافے کا سبب ہے۔

II. تلمیحات کے استعمال سے منتخب شعرا کے کلام کی معنوی وسعتوں میں قابلِ قدر اضافہ ہوا۔ بالخصوص وہ تلمیحات جو غزلیہ شاعری سے نعت میں در آئی ہیں، ان کے استعمال نے منتخب شعرا کے کلام کو حسن وبلاغت کے درجۂ کمال پر پہنچا دیا ہے۔

III. تلمیحات کے استعمال سے شعرا کے کلام میں بلاغت کا عنصر تو پیدا ہوا لیکن ایک طرح کی تلمیحات کے استعمال نے شعرا کے انفراد پر گہرا اثر مرتب کیا۔

ج۔ سفارشات:

I. متقدمین کے نعتیہ کلام میں تلمیحات کا استعمال بہ کثرت ملتا ہے۔ اس کلام کے حوالے سے تحقیقی وتنقیدی کام ہونا چاہیے۔

II. تلمیح کی اقسام کے حوالے سے اردو ادب میں کوئی قابلِ قدر کام نہیں ہو سکا۔ اس حوالے سے جامعات میں تحقیق کی جانی چاہیے۔

III. اردو رسائل وجرائد میں نعت کی تحقیق وتنقید کے حوالے سے بہت سے مضامین شائع ہوتے ہیں ان میں سے اہم مضامین کو یکجا کر کے اس حوالے سے تحقیقی وتنقیدی کام کیا جانا چاہیے۔

کتابیات

بنیادی ماخذ:

دلاور علی آزر، نقش، وراق پبلی کیشنز لاہور، اگست ۲۰۱۸ء۔

دلاور علی آزر، سیدی، حرف زاد پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۲۰ء۔

ریاض مجید، ڈاکٹر، سیدنا کریم، نعت اکادمی فیصل آباد، ۱۲۔ اکتوبر ۲۰۱۸ء۔

ریاض مجید، ڈاکٹر، سیدنا رحیم، نعت اکادمی فیصل آباد، ۱۱۔ دسمبر ۲۰۱۱ء۔

شاکر القادری، چراغ، اکادمی فروغِ نعت پاکستان، نومبر ۲۰۱۶ء۔

صبیح رحمانی، کلیاتِ صبیح رحمانی، (مرتب: شہزاد احمد، ڈاکٹر)، نعت ریسرچ سینٹر کراچی، سن ندارد۔

عزیز احسن، کلیات عزیز احسن، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، نومبر ۲۰۱۷ء۔

مقصود علی شاہ، مطافِ حرف، حاجی منیر اینڈ سنز لاہور، جولائی ۲۰۱۹ء۔

مقصود علی شاہ، قبلۂ مقال، نعت آشنا، پاک ٹاور دوسری منزل لاہور، جولائی ۲۰۱۰ء۔

ثانوی ماخذ:

ابو السرور محمد مسرور، عہدِ نبویؐ میں نعتِ مصطفیٰ ﷺ، ادارہ مسعویہ، کراچی، ۲۰۰۱ء۔

احمد دہلوی، سید، فرہنگِ آصفیہ، جلد سوم، چوتھا ایڈیشن، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی، ۱۹۹۸ء۔

ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، اگست ۱۹۸۷ء۔

تنظیم الفردوس، ڈاکٹر، اردو کی نعتیہ شاعری میں مولانا احمد رضا خاں کی انفرادیت و اہمیت مقالہ برائے پی ایچ ڈی، جامعہ کراچی، ۲۰۰۳ء

ثوبان سعید، فرہنگِ تلمیحات، نیو انڈیا آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی، سن ندارد۔

رحمت یوسف زئی، اردو شاعری میں صنائع و بدائع، سنٹرل یونی ورسٹی آف حیدر آباد، ۲۰۰۳ء۔

ریاض مجید، ڈاکٹر، اردو میں نعت گوئی، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۰ء۔

رفیع الدین اشفاق، ڈاکٹر، اردو میں نعتیہ شاعری، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، اکتوبر ۱۹۷۶ء۔

سلیم اختر، تنقیدی دبستان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء۔

شاہ محمد، عہدِ نبوی ﷺ میں نعتیہ شاعری، تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی، اردو جامعہ کراچی، ۲۰۰۸ء

صبیح رحمانی (مرتب)، اردو نعت کی شعری روایت، اکادمی بازیافت، جون ۲۰۱۶ء۔

عزیز احسن، ڈاکٹر، پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر، نعت ریسرچ سنٹر کراچی، جولائی ۲۰۱۴ء۔

عطاالرحمن، ڈاکٹر، اردو شاعری میں اسلامی تلمیحات، کاکوری آفسٹ پریس لکھنو، ۲۰۰۴ء۔

عابد علی عابد، اسلوب، مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول، ۱۹۹۶ء۔

عابد علی عابد، البدیع، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۱ء۔

عابد علی عابد، تلمیحاتِ اقبال، مکتبہ جدید پریس، لاہور، طبع دوم، دسمبر ۱۹۸۵ء۔

عبد الحفیظ، مولانا، مصباح اللغات، مکتبہ قدوسیہ، جولائی ۱۹۹۹ء۔

فرمان فتح پوری، اردو کی نعتیہ شاعری، حلقہ نیاز و نگار، لاہور، ۱۹۷۴ء۔

محمود نیازی، تلمیحاتِ غالب، غالب اکیڈمی، نئی دہلی، جون ۱۹۷۲ء۔

مصاحب علی صدیقی، ڈاکٹر، اردو ادب میں تلمیحات، نظامی پریس لکھنو، ۱۹۹۰ء۔

نعیم صدیقی، محسنِ انسانیت، ادارہ مطالعہ و تحقیق لاہور، ۲۰۰۵ء۔

نجم الغنی خاں، بحر الفصاحت، تدوین، ڈاکٹر کمال احمد صدیقی، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان نئی دہلی، جلد اول، دوم، مارچ ۲۰۰۶ء۔

وحید الدین سلیم، تلمیحات، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس کراچی، ۲۰۱۹ء۔

یوسف سلیم چشتی، شرح جاوید نامہ، عشرت پبلشنگ ہاوس، لاہور، اکتوبر ۱۹۵۶ء۔

رسائل:

فروغِ نعت، سہ ماہی، ادارہ فروغِ نعت، اٹک۔

نعت رنگ، سالانہ، نعت ریسرچ سنٹر، کراچی ،۲۰۲۱-۲۲ء۔

ویب گاہیں:

www.rekhta.com

www.naatkainat.com

www.minhaj.com

www.sturdubooks.com

www.silsla.com

www.thefatwa.com

www.urdulinks.com

www.humsub.com

www.fatwaacadmy.com

www.sabih-rehmani.com

www.urdulughat.com

گوگل ایپ:

Islam360